اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۱ | ربیع الثانی سنہ ۱۴۴۲ھ | دسمبر ۲۰۲۰ء | شمارہ ۱۱

الاتمام لنعمة الاسلام

خصوصیات اسلام۔ حصہ دوم

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۴۰ روپے
زر سالانہ = /۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

الاتمام لنعمۃ الاسلام

(خصوصیات اسلام) حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے یہ وعظ حاجی کرم الٰہی صاحب کے مکان پر نظامت نارنول ریاست پٹیالہ میں ۲۲ شوال ۱۳۴۱ھ بروز جمعہ صبح کے وقت ساڑھے تین گھنٹے تک بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ مرد سامعین کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی، مستورات اس کے علاوہ تھیں۔

مولوی اطہر علی صاحب سلہٹیؒ نے اسے قلمبند فرمایا۔ اسی آیت پر ایک وعظ اس سے قبل بھی ارشاد فرمایا تھا جس میں اسلام کی خوبیوں کو بیان کیا تھا (جو دار العلوم الاسلامیہ سے دو حصوں میں ماہ اکتوبر، نومبر ۲۰۲۰ء میں طبع ہو چکا ہے) اس وعظ میں ان کی تکمیل کی ہے کہ اسلام عظیم نعمت ہے اس کا شکر کریں اور دوسروں کو اس کی تبلیغ کریں۔ اس کے بعد اسی آیت پر ایک وعظ پانی پت میں کہا ہے اس میں بھی اسلام کی خصوصیات کا بیان ہے یہ وعظ بھی طویل ہونے کی وجہ سے دو حصوں میں، جنوری، فروری ۲۰۲۱ء میں ان شاء اللہ طبع کیا جائے گا۔

خلیل احمد تھانوی

۲۰/۸/۲۰۲۰

الاتمام لنعمۃ الاسلام (خصوصیات اسلام) حصہ دوم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۷
۲	پسندیدہ نعمت	۷
۳	اقسام نعمت	۸
۴	دینی نعمت میں کمال	۱۱
۵	نعمت اسلام	۱۱
۶	امر بالمعروف	۱۲
۷	طرز نصیحت	۱۶
۸	اقسامِ نصیحت	۱۸
۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انداز نصیحت	۲۰
۱۰	دیہاتی کا مؤدبانہ انداز نصیحت	۲۱
۱۱	خلوصِ نیت	۲۳
۱۲	فرمائیشی تائید کا انجام	۲۳
۱۳	دوسرے کو نصیحت خود میاں فضیحت	۲۴
۱۴	حقیقتِ سرداری	۲۵
۱۵	اخلاص اور شہرت	۲۷
۱۶	ناصحانہ حکایت	۲۸
۱۷	کارِ پاکاں	۳۰
۱۸	بڑائی کا نقصان	۳۲
۱۹	نصیحت کا بھونڈا طریقہ	۳۳
۲۰	نصیحت کے مختلف انداز	۳۳
۲۱	مستقل مزاجی کی قدر	۳۵
۲۲	طریقہ نصیحت	۳۶
۲۳	مبالغہ فی النصیحت	۳۶

۲۴	ثمرہ پر عدم نظر	۳۷
۲۵	عملی نمونہ	۳۸
۲۶	ہماری حالت کا دوسروں پر اثر	۴۰
۲۷	تحصیل علوم کی ترتیب	۴۱
۲۸	طریق باطن میں ترتیب	۴۱
۲۹	مقتدایان اسلام	۴۱
۳۰	اپنی اصلاح کی فکر	۴۳
۳۱	اصلاح کا طریقہ	۴۵
۳۲	امر بالمعروف کرنے کی شرط	۴۶
۳۳	کسی کی تحقیر نہ کرو	۴۷
۳۴	مریدین پر عتاب کے وقت مشائخ کا حال	۴۸
۳۵	فکر اصلاح	۴۹
۳۶	تبلیغ میں بے فکری	۵۰
۳۷	لوگوں کی غلط فہمی	۵۲
۳۸	اجزائے اسلام	۵۳
۳۹	فوائد توحید	۵۴
۴۰	برکات تقدیر	۵۶
۴۱	شیخ عبدالقادرؒ کا حال	۵۷
۴۲	تقدیر پر بھروسہ	۵۹
۴۳	ہدیہ دینے کا ادب	۵۹
۴۴	جھوٹی تاویلات	۶۰
۴۵	حضرت تھانویؒ کا استغناء	۶۱
۴۶	عقیدہ کی برکت	۶۱
۴۷	بزرگوں کی شانیں	۶۳
۴۸	اپنا ہی غم	۶۴
۴۹	اخبار الجامعہ	۶۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ و نشھد انّ سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارك وسلم **اما بعد!**

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(اَلۡیَوۡمَ أَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِینَکُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِی وَرَضِیتُ لَکُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِینًا)(۱)

تمہید

یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے، اس کے متعلق ریواڑی میں کچھ بیان ہوگیا تھا، آج پھر اسی کا اعادہ اس وجہ سے کیا گیا کہ اس کے متعلق کچھ تفصیل کی حاجت (۲) تھی، وہاں اس کے بیان کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس لیے اب اس کی کچھ تفصیل کی جائے گی۔ ہر چند کے وہ تفصیل بھی پوری مفصل نہیں مگر اس اجمال کے مقابلہ میں ضرور تفصیل ہے۔

پسندیدہ نعمت

اس اجمال کا حاصل یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں ایک بڑی نعمت کا ذکر فرمایا ہے۔ اور وہ نعمت اسلام ہے۔ حق تعالیٰ نے ہم کو اس کے کامل ہونے کی بشارت دے دی ہے، اور اس کو پسند کرنے کی خبر دی ہے۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ یہ بہت ہی بڑی نعمت ہے اس سے خدا تعالیٰ کی رضا (۳) حاصل ہوتی ہے، اور بڑی نعمت

(۱) ”آج کے دن تمہارے لیے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام (مکمل) کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کرلیا“ سورۂ المائدہ: ۳ (۲) ضرورت (۳) خوشنودی۔

مسلمانوں کے لیے حق تعالیٰ کی رضا ہی ہے تو حق تعالیٰ نے اسلام کو ہمارے لیے پسند بھی کیا اور اس کو کامل بھی کر دیا۔ یعنی وہ نعمت اپنی ذات میں بھی کامل ہے اور صفات میں بھی کہ اس کو پسند بھی فرمایا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوگی؟ دیکھیے اگر کوئی چیز فی نفسہٖ مکمل ہو اور بادشاہ کو پسند نہ ہو تو وہ کچھ بھی کمال نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ جب بادشاہ ہی اُس سے راضی نہیں ہے تو پھر اس کمال سے کیا فائدہ؟ اور اگر وہ فی نفسہ کامل بھی نہ ہو مگر بادشاہ کو پسند ہے تو کافی ہے اور اگر وہ چیز فی نفسہ بھی کامل ہو اور بادشاہ کو بھی پسند ہو، تو پھر کیا کہنا؟ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے، نور علی نور ہے۔ تو اسلام ایسی نعمت ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو پسند کیا ہے اور کامل بھی کیا ہے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ جس شخص کے پاس یہ دولت ہوگی اس سے وہ راضی بھی ہوگا تو یہ بہت بڑی نعمت ہوئی کہ اپنی ذات میں بھی کامل ہے اس کے ساتھ اس سے خوشنودی حق بھی حاصل ہے۔ خوب سمجھ لو۔

اقسام نعمت

اب ایک دوسری طرح سمجھو کہ نعمت دو قسم کی ہوتی ہے اور اس کو میں اس لیے بیان کرتا ہوں تا کہ معلوم ہو جائے کہ وہ کتنی بڑی نعمت ہے اور یہ اندازہ ہو جائے کہ اسلام کتنی عظیم الشان نعمت ہے اور ہم اس کا کیا حق ادا کرتے ہیں اور ہم کو کیا کرنا چاہئے تھا، غرض نعمتیں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک دنیا کی نعمتیں جیسے کھانا، پینا، مال وجاہ[1] اولاد، مکان، زمین جائیداد وغیرہ۔ یعنی وہ نعمتیں کہ دنیا میں ان کا نفع حاصل ہوتا ہے اور ان کی راحت محدود ہے اور ایک آخرت کی نعمتیں یعنی وہ نعمتیں کہ ان کے منافع[2] آخرت میں حاصل ہوتے ہیں اور ان کا نفع کبھی زائل نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ نعمتیں باقی اور دائمی ہیں[3] ہیں، جیسے جنت کا ملنا، حور وغلمان کا ملنا، جنت میں باغ کا ملنا اور طرح طرح کی راحت اور لذت ملنا، کسی قسم کا غم نہ ہونا، دنیا میں خواہ کتنی ہی بڑی خوشی ہو اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ رنج ضرور ہوتا ہے۔ راحت کے ساتھ کلفت[4] ملی ہوتی ہے، مگر آخرت میں کوئی غم کسی قسم کا رنج پاس نہ بھٹکے گا اور دنیا کی نعمتیں تو دو چار روز کے بعد زائل ہو ہی

(۱) اقتدار (۲) فوائد (۳) ہمیشہ رہنے والی (۴) پریشانی۔

جاتی ہیں کوئی نہ کوئی نقصان اس میں ضرور آ ہی جاتا ہے مگر نعمائے اخروی ابدالآباد(۱) کے لیے ہیں یعنی ختم نہ ہوں گی، غرض نعمت کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی ایک اخروی دنیا کی نعمت تو کبھی ختم ہوجائے گی اور کوئی نعمت کلفت سے خالی بھی نہیں ہے، کچھ نہ کچھ کلفت سب کے اندر ہے۔ دیکھئے کھانا ایک نعمت ہے اس میں کتنی محنت ہے پھر یہ محنتیں بھی دو قسم کی ہیں ایک وہ جو قبل کھانے کے ہیں جیسے اول زمین کھودی جائے پھر اس کو ہموار کیا جائے دھوپ کے محتاج ہیں، بارش کی ضرورت ہے اگر بارش نہ ہو تو کنویں سے سینچائی(۲) کی جائے، پھر ہل چلانا، اس کے واسطے بیل کی ضرورت ہے پھر بیلوں کے رہنے کو ایک مکان چاہیے، اس مکان کی درستی کا بھی خیال رکھنا۔ پھر ان کے چرانے کے لیے ایک آدمی ساتھ رہے، خواہ دھوپ ہو یا بارش ہو، جب چرانے والے کے سر پر کبھی بیل نہیں ہوتا تو خریدنا پڑتا ہے اس میں کبھی روپیہ پاس نہیں ہوتا قرض لینا پڑتا ہے پھر کبھی بیل مر بھی جاتا ہے تو صدمہ اور زیادہ ہوتا ہے، ایک تو بیل کا صدمہ پھر قرض کا بار زمین درست کر کے تخم(۳) ڈالا کبھی دانہ نہیں اگتا۔ پھر دوبارہ ڈالنا پڑتا ہے۔ اور اگر دانہ جم آیا تو اس کی حفاظت کے واسطے ایک آدمی چاہئے، اور جو آدمی نہ ہوا تو خود زمیندار کو اپنا مکان چھوڑ کر جنگل میں رہنا پڑتا ہے۔ پھر اس مصیبت کے بعد کبھی کھیت قابل کٹنے کے ہوئے تو دفعۃً اولاً گر کر ساری کھیتی خراب ہوگئی تو بے حد صدمہ ہوتا ہے۔ یہ کلفتیں تو کھیتی سے پہلے کی ہیں پھر کھانے کے ساتھ کلفتیں (۴) یہ ہیں کہ کبھی مرچ زیادہ ہوگئی تو تکلیف ہو رہی ہے کبھی نمک زیادہ ہوگیا تو کھایا نہ گیا۔ کبھی کچا رہ گیا تو لطف نہیں آتا۔ کبھی جل گیا تو بے لطفی رہی کبھی گرم گرم لقمہ منہ میں ڈالا تو منہ جل گیا، کبھی گلے میں اٹک گیا پھر تو جان پر نوبت آجاتی ہے اور پھر کھانے کے بعد یہ کلفتیں ہیں کبھی ایک دو لقمہ زیادہ کھالیا تو گرانی ہوگئی کبھی قبض ہوجاتا ہے، کبھی دست آنے لگتے ہیں، ہیضہ ہوجاتا ہے کبھی قے ہوجاتی ہے کبھی اور کوئی مرض ہوتا ہے اب حکیم کو بلاؤ ڈاکٹر کو بلاؤ اب کہیں نسخہ پیا جارہا ہے کہیں چورن کھایا جارہا ہے، دیکھئے اتنی کلفتیں بھگتنے کے بعد تب کہیں دو لقمے ملتے ہیں اسی طرح ہر نعمت کے ساتھ کچھ نہ کچھ کلفتیں ضرور ہیں بخلاف نعمت اخروی

(۱) آخرت کی نعمتیں ہمیشہ کے لیے ہیں (۲) کنویں سے پانی نکال کر زمین کو سیراب کریں (۳) بیج (۴) مشقتیں۔

کے کہ جب وہ ملے گی پھر کبھی ختم نہ ہوگی۔ بلکہ ہمیشہ رہے گی، پھر اس میں کوئی رنج نہیں، کوئی کلفت ومشقت نہیں ابتداء سے انتہا تک خوشی ہی خوشی ہے، ابتدا دخول جنت سے تو یہ برتاؤ ہوگا۔ وَسِيقَ ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوْا۟ رَبَّهُمْ إِلَى ٱلْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَٰبُهَا (۱) جب جنت کے پاس پہونچیں گے اور دروازہ کھولدیا جاویگا۔ یہ گویا ابتداء ہوگی اس نعمت کے عطا ہونے کی۔ گویا ابتداء عطائے نعمت کی یہ ہوئی کہ فرشتہ کے ذریعے سے حکم ہوگا کہ داخل ہوجائے جنت کے اندر اور داخلہ اس طرح ہوگا کہ ان کے جاتے ہی دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اس وقت ایک خاص فرحت ہوگی۔ پھر دوسری فرحت یہ ہوگی۔ وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَٱدْخُلُوهَا خَٰلِدِينَ (۲) فرشتے دعا دیں گے سلامتی کی، کہ سلامتی ہوتم پر، خوشحال رہو جنت میں داخل ہوجاؤ فَٱدْخُلُوهَا خَٰلِدِينَ پھر ساتھ ہی خلود (۳) کی بشارت بھی دیں گے۔ یہ سامان تو ابتداء کا ہے پھر بہشت کے اندر جائیں گے۔ تو اس وقت خوش ہوکر کہیں گے وَقَالُوا۟ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِى صَدَقَنَا وَعْدَهُۥ وَأَوْرَثَنَا ٱلْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ ٱلْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ ٱلْعَٰمِلِينَ (۴) یعنی وہاں کے حالات دیکھ کر خوش ہوکر کہیں گے کہ سب تعریف اس ذات کو ہے جس نے وعدہ کو سچا کیا اور ہم کو ارض جنت کا مالک بنادیا کہ جہاں چاہیں اس میں چل پھر سکتے ہیں۔ پوری آزادی ہے کسی طرح کی رکاوٹ نہیں ہے ہر طرح سے آرام ہے، جو چاہوگے، وہی ہوگا۔ مثلاً کسی کو مکان میں بیٹھے بیٹھے یہ خیال ہوا کہ اس پر چھت نہ ہو خیال کرتے ہی معاً ایسا ہی ہوجاوے گا۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا، تو چھت ندارد، کھلا ہوا مکان ہے۔ یا کوئی پرندہ کہیں بیٹھا ہوا ہے کسی کا خیال ہوا کہ اس کے کباب کھاؤ، بس فوراً کباب بن کر رقاب (۵) کے اندر حاضر۔ ایک منٹ کی بھی دیر نہیں اور پھر دیکھا تو وہی جانور وہاں بیٹھا ہوا ہے یا کسی نے کوئی پھل بہت خوشنما کھانے کے لیے کے لیے توڑا اس کے اندر اسے ایک حور عجیب وغریب حسین وخوبصورت نکل آئی کہ السلام علیکم پھل رہا الگ اور مفت میں ایک حور ہاتھ آگئی غرض

(۱) سورۃ الزمر: ۷۳ (۲) سورۃ الزمر: ۷۳ (۳) ہمیشہ رہنے کی خوشخبری (۴) سورۃ الزمر: ۷۴ (۵) اس کے کباب بن کر تھال میں پیش ہوجائیں گے۔

وہاں کی عجیب وغریب حالت ہے اور دنیا کی نعمتیں دو چار دن کے بعد نہ رہیں گی۔ کبھی نہ کبھی ختم ہو ہی جائیں گی اور وہاں کی نعمت ہمیشہ باقی ہے کبھی اس کو زوال اور فنا نہیں۔

دینی نعمت میں کمال

پھر یہ کہ یہاں کی نعمت کی یہ حالت ہے کہ اگر اسے ہمیشہ کھایا جائے تو اخیر میں طبیعت اکتا جاتی ہے یا کبھی کوئی مرض پیدا ہوجاتا ہے، دست آنے لگتے ہیں قبض ہوجاتا ہے۔ وغیرہ ذالك(۱) اور اگر یہ بھی نہ ہو تو انقطاع(۲) تو ضرور ہوجاتا ہے ہمیشہ میسر نہیں آتی اور وہاں اگر کوئی میوہ پسند ہو اور کھانے کو جی چاہے اور ہمیشہ کھائیں تو کھاتے رہو کچھ ڈر نہیں نہ پیشاب ہے، نہ پاخانہ ہے، نہ مرض کا خوف ہے، صرف پسینہ آیا اور ڈکار لی اور سب کھانا ہضم ہوگیا اور کوئی بکھیڑا ہی نہیں اور پسینہ بھی مشک کی طرح خوشبودار، اور ڈکار بھی اس قدر خوشبودار کہ کبھی سونگھی بھی نہ ہوگی، عفونت اور بدبو کا وہاں بالکل نام نہیں۔ بہر حال وہاں ایسی ایسی نعمتیں ہیں کہ نعمائے دنیوی کو ان سے کچھ نسبت ہی نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ دینی نعمت بہت زیادہ کامل ہے، دنیوی نعمت سے۔

نعمت اسلام

جب یہ سمجھ گئے تو اب سمجھ لو کہ آخرت کی نعمت بغیر اسلام کے کبھی نصیب نہ ہوگی۔ تو اب بتلاؤ جب ان کی جڑ اسلام ہے اور وہ نعمتیں ایسی ہیں کہ دنیا کی نعمتیں ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں اور اسلام سے وہ نعمتیں ملتی ہیں تو اسلام کتنی بڑی دولت ہوئی۔ پھر کیا یہ زیر(۳) کی اور عقلمندی ہے کہ ایسی چیز کو چھوڑ کر نعمت فانی کے طالب بنیں اور ہم تمہاری خاطر سے کچھ عذر بھی مان لیتے اگر اسلام سے دنیا کی نعمتیں نہ ملتیں۔ مگر اس میں تو دنیوی نعمتیں بھی ملتی ہیں یعنی اگر کوئی اسلام قبول کرے تو دنیا میں بھی کوئی نعمت اس کی برابر کسی کو نہیں مل سکتی اس کو میں عنقریب ثابت کروں گا بہر حال اسلام کے اندر جب دنیوی نعمتیں بھی موجود اور اخروی کی تو وہ جڑ ہی ہے تو اس کی برابر کونسی نعمت کامل ہوگی؟ تو حق تعالیٰ نے اسلام کا نعمت ہونا اس آیت میں بیان فرمایا ہے اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي(۴)

(۱) اسی قسم کی دیگر باتیں پیش آتی ہیں (۲) ختم تو ضرور ہوجاتی ہیں (۳) سمجھداری (۴) ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا''۔

اور یہ بھی بتلایا ہے کہ وہ نعمت کاملہ ہے اور نعمت تامہ ہے پھر اس کا دین ہونا بھی ظاہر فرمایا ہے۔ ان چند اوصاف میں کوئی تو اس کا علم ہے اور کوئی لقب ہے غرض یہ ایسا مضمون ہے کہ اس میں کوئی خفا(۱) نہیں پس فرماتے ہیں کہ اسلام دین کامل ہے نعمت کاملہ ہے اسلام دین پسندیدہ ہے جب ایسی نعمت ہے تو اس کا حق بھی ایسا ہی ہوگا یعنی ہر نعمت کا ایک حق ہوتا ہے تو نعمت اسلام کا بھی ایک حق ضرور ہوگا اور ہر نعمت کا حق یہ ہوتا ہے کہ اس سے نفع حاصل کرو تو اس کا بھی یہی حق ہوگا کہ اس سے نفع حاصل کرو یعنی اس کو کامل کرو اس سے اپنی حالت کو درست کرو تو اس کے آثار و برکات تم کو حاصل ہوں گے اس کے فیوض سے آپ بہرہ یاب ہوں گے یہ تو ایک موٹی بات تھی۔ دوسری ایک باریک بات اس میں ہے۔

امر بالمعروف

جس کا بیان اس وقت مقصود ہے وہ یہ کہ ابھی معلوم ہوا کہ نعمت کا حق یہ ہے کہ اس کو کامل طور پر حاصل کیا جائے تو اسلام کا بھی ہم پر یہ حق ہوا کہ ہم اسے کامل طور پر حاصل کریں اب سمجھئے کہ اسلام کیونکر کامل ہوتا ہے تو شریعت نے بتلادیا ہے کہ جیسے اسلام بغیر صوم وصلوٰۃ(۲) کے کامل نہیں ہوتا ایسے ہی اور ایک چیز ہے کہ اس کے بدون بھی اسلام کامل نہیں ہوتا اس کا بیان یہ ہے کہ ہم نے جو احکام کو دیکھا تو جہاں وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا الزَّكَوٰةَ (۳) کا حکم ہے یعنی نماز ادا کرو۔ زکوٰۃ دو، اور كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ یعنی تم پر روزہ فرض ہے اور وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ (اور حج وعمرہ کو اللہ کے واسطے پورا پورا کرو) یعنی حج کا بھی حکم ہے۔ یہ سارے احکام تو ہم پر فرض ہیں ہی نماز روزہ حج زکوٰۃ سب ہی کے ادا کرنے کا حکم ہے اور وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ (۴) میں تلاوت قرآن کا بھی حکم پایا۔ ان احکام کے ساتھ ہی ایک حکم یہ بھی فرمایا ہے وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ (۵) اور یہ حکم احکام مذکورہ کے

(۱) پوشیدگی (۲) نماز وروزہ (۳) ''نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو'' (۴) ''جو کتاب آپ ﷺ پر وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کیجئے''، عنکبوت: ۴۳ (۵) ''یعنی دوسروں کو بھی بھلائی کا حکم کرو اور برائی سے روکو'' لقمان: ۱۷۔

مقابل نہیں بلکہ جہاں نماز کا حکم ہے وہاں ہی امر بالمعروف کا بھی حکم ہے چنانچہ ارشاد ہے: يَٰبُنَيَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأۡمُرۡ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَٱنۡهَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ (۱) اور ارشاد ہے وَٱلۡمُؤۡمِنُونَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتُ بَعۡضُهُمۡ أَوۡلِيَآءُ بَعۡضٖۚ يَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤۡتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَيُطِيعُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓۚ أُوْلَٰٓئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ ٱللَّهُۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٞ (۲) اور جہاں جنت کا وعدہ ہے وہاں نماز کے ساتھ امر بالمعروف کا وصف بھی مذکور ہے۔ چنانچہ آیت بالا میں ان اوصاف کے بعد ہی ارشاد ہے۔ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتِ جَنَّٰتٖ (۳) جہاں ان کے اور فضائل بیان کئے گئے ہیں اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں (۴) سو حکم تو یہ ہے کہ جیسے اور احکام فرض ہیں ایسے ہی امر بالمعروف بھی فرض ہے مگر حالت ہماری یہ ہے کہ اس کا بالکل خیال ہی نہیں اول تو ہم لوگوں کو خود دین ہی کی طرف توجہ نہیں اور دیندار ہیں بھی، ان کی حالت یہ ہے کہ صرف اپنی کملی (۵) کی تو خیر مناتے ہیں مگر دوسروں کی خبر نہیں کسی کو نہ نیک کام کی ترغیب دیتے ہیں اور نہ برائی سے روکتے ہیں۔ گویا یہ حکم قرآن میں ہے ہی نہیں اور غیروں کو تو کیا کرتے خود اپنے گھر والوں سے بھی پوچھ گچھ نہیں کرتے؟ حالانکہ جیسے اپنے اوپر عمل کرنا فرض ہے ایسے ہی اپنے اہل وعیال کو عمل کے لیے کہنا بھی فرض ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا (۶) اور خاص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وَأۡمُرۡ أَهۡلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ (۷) یعنی خود بھی نماز ادا کیجئے اور اپنے گھر والوں کو بھی حکم کیجئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے کیا نماز نہیں پڑھتے تھے؟ ان جیسا تو نمازی بننا مشکل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی جو آپ کا حکم ہوا ہے کہ اہل بیت کو نماز کا

(۱) ''اے میرے بیٹے نماز کو قائم کرنا اور نیک کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے منع کرنا'' سورہ لقمان: ۱۷ (۲) ''اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں'' التوبہ: ۷۱ (۳) ''اللہ تعالیٰ نے مؤمنین اور مؤمنات سے بہشتوں کا وعدہ فرمایا ہے'' التوبہ: ۷۲ (۴) اچھائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں (۵) اپنی گدڑی کی فکر ہے (۶) ''اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں و دوزخ کی آگ سے بچاؤ'' التحریم: ۶ (۷) طٰہٰ: ۱۳۲

حکم کیجئے تو اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کرتا بھی رہے اسے بھی کہتے رہتے ہو کہ دیکھو جب بچہ قرآن ختم کرتا ہے تو جو شفیق استاد ہوتا ہے وہ اس سے کہتا رہتا ہے کہ بھائی اس کو بھول مت جانا بلکہ دو ایک منزل ہمیشہ پڑھتے رہنا۔ شفیق استاد یہ نہیں کرتا کہ میں نے تو اب ختم کرادیا آگے وہ جانے اس کا کام جانے یا تم نے اپنے کسی عزیز کو حساب سکھلایا ہو تو اسے کہتے رہو کہ دیکھو روزانہ ایک دو سوال نکال لیا کرو۔ نہیں تو بھول جاؤ گے اور پھر اس پر بس نہیں کرتے بلکہ روز یا دوسرے تیسرے دن اس سے پوچھتے رہتے ہو کہ سوال نکالا تھا یا نہیں اگر کسی دن اس نے سستی کی تو ڈانٹتے ہو اسی طرح اپنی اولاد اور اپنے بچے کو بیماری میں آپ نے سکھلا دیا کہ تم کو فلاں چیز مضر ہے۔ دماغ خراب کرتی ہے اس سے پٹھے خراب ہوجاتے ہیں رطوبت پیدا کرتی ہے، کھٹائی مت کھانا وہ یہ یہ نقصانات کرے گی اور وہ سمجھ بھی گیا کہ یہ شے مضر ہے مگر پھر بھی تم دوسرے تیسرے دن کہتے رہتے ہو دیکھو کبھی کھٹائی نہ کھانا اب وہ کہتا ہے کہ میں نے تو سمجھ لیا ہے سن لیا ہے پھر روزانہ کہنے کی ضرورت کیا؟ تو اس سے کہتے ہو کہ بھائی محبت کا تقاضا ہوتا ہے اس لیے کہتا ہوں یہ نہ ہو کہ کبھی غلطی سے کھاجاؤ۔ اور نقصان کرے۔ تو اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے باوجودیکہ حضرات ازواج مطہرات اس کی نہایت پابند تھیں اور ایسی کامل ولیات تھیں کہ ان کے فضائل قرآن میں جابجا(۱) موجود ہیں ایک مقام پر تو یہ تصریح ہے کہ يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ (۲) کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔ کیا اسی طرح بے نمازیوں کے فضائل ہیں ایسا خطاب ہوسکتا ہے ہرگز نہیں مگر پھر بھی حکم ہوتا ہے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ (۳) اپنے گھر والوں سے نماز کے لیے کہتے رہو کہنا مت چھوڑ دو واقعی کہنے کی بڑی برکت ہے دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے متقی نیک لوگ بھی چند روز کے بعد عمل میں کچیا(۴) جاتے ہیں کہنے سننے سے پھر تنبیہ ہوجاتا ہے اور اسی لیے تو صحبت نیک کی تاکید آئی ہے وجہ یہ ہے کہ اس سے عمل میں پختگی ہوتی ہے صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ بے نمازی آدمی چند روز نمازیوں میں رہنے سے نمازی ہوجاتا ہے۔ اور نمازی بے نمازیوں

(۱) جگہ جگہ (۲) الاحزاب: ۳۲ (۳) طٰہٰ: ۱۳۲ (۴) ڈھیلے پڑجاتے ہیں۔

کی صحبت سے چند دنوں میں بے نمازی ہوجاتا ہے، پس کوئی اپنے کمال پر ناز نہ کرے میں بڑا نمازی ہوں یہ سب نمازیوں کے پاس رہنے کی برکت ہے پس یا تو اپنے سے بڑوں میں رہو اور اگر بڑے میسر نہ ہوں تو چھوٹوں میں ہی رہو بشرطیکہ وہ نیک اور صالح ہوں۔ بڑے کے پاس رہنے سے تو اس کی صحبت کا اثر اپنے اندر ہوگا۔ اس کے حالات کو دیکھ کر ذوق شوق پیدا ہوگا اور کوئی لغزش (۱) ہوجائے تو وہ روک ٹوک کرے گا اور چھوٹوں کی صحبت سے ان کے اعمال صالحہ کو دیکھ کر شرم آئے گی کہ ہائے اتنے چھوٹے چھوٹے بچے تو کیا کچھ کرتے ہیں کس قدر خوف خدا ان میں ہے کس پابندی سے احکام کو ادا کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے بڑی شرم کی بات ہے غرض جس طرح بڑے سے نفع ہوتا ہے ایسے ہی کبھی چھوٹے سے بھی نفع ہوتا ہے۔ یہی راز ہے صحبت کا کہ اس سے عمل میں پختگی ہوتی ہے غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ (۲) کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے۔ جب حضور کو یہ حکم ہے تو اوروں کے گھر والوں کا کیا حال ہوگا؟ انہیں تو تاکید کرنا بہت ہی ضروری ہوگا مگر ہمارا یہ حال ہے کہ جب کوئی گھر میں جاتا ہے تو اول سوال یہ ہوتا ہے کہ روٹی پکی یا نہیں؟ کرتہ سل گیا یا باقی ہے؟ ہانڈی پک گئی یا نہیں؟ یہ ساری باتیں تو پوچھی جاتی ہیں مگر نماز کا کہیں ذکر ہی نہیں کہ تم نے نماز بھی پڑھی یا نہیں؟ جب گھر والوں کے ساتھ ہمارا یہ حال ہے تو غیروں کے ساتھ کیسا ہوگا؟ خیال فرمائیے کہ اگر تمہارے کسی دوست کا روپیہ راستہ میں گر پڑے تو تم پر حق یہ ہے کہ اسے اٹھا کر دے دو اور اس سے کہو کہ اچھی طرح باندھ کر رکھو اور ایسا ہی کرتے بھی ہیں، یہ نہیں کرتے کہ روپیہ کو راستہ ہی میں پڑا رہنے دیں کہ ہمیں کہنے کی کیا ضرورت ہے یہ کوئی بچہ ہے خود خیال کیوں نہیں کرتا ہے نہیں نہیں بلکہ روپیہ کو ضرور اٹھا کر دیتے ہیں کیوں کہ سمجھتے ہیں کہ یہ دوست ہے اس سے بیچارے کو نفع ہوگا لاؤ اٹھا کر دیدو اور سمجھادو یہ اس کے کام آوے گا اسی طرح مسلمان کو چاہیے کہ جب اپنے بھائی مسلمان کو دیکھے کہ نماز نہیں پڑھتا ہے اور اس کی نماز چھوٹ گئی ہے۔ تو یہ سمجھے کہ گویا اس کا روپیہ کھو گیا بلکہ روپیہ اور اشرفی کی بھی اس کے سامنے کیا حقیقت؟ تو اس کو بھی ضرور

(۱) کوتاہی (۲) طٰہٰ: ۱۳۲۔

سمجھادو مگر یہاں یہ کہتے ہو کہ ہمیں کیا غرض پڑی؟ کیوں صاحبو! کیا نماز روپیہ سے بھی کم ہے؟

طرز نصیحت

ہاں تم ایک عذر کروگے کہ وہاں تو بتلانے سے دوسرا احسان مانے گا اور یہاں برا مانتا ہے۔ حضرت یہ کوئی عذر نہیں تم کہنے کے طریقہ سے کہو ہرگز کوئی برا نہ مانے گا اس طرح کیوں کہتے ہو جس سے دوسرا بھڑک اٹھے تم تو کہتے ہو طعن و تشنیع سے اس سے بے نمازی تو کیا جو نمازی ہے وہ بھی برا مانے گا مگر یہ مرض ایسا عام ہوگیا ہے کہ جو بے نمازی کبھی نماز کے واسطے آتا ہے اُس پر ضرور طعن کرتے ہیں۔ قصبہ چرتھاول میں ایک مسجد میں ایک مولوی صاحب مہمان تھے نماز کے وقت ایک بے نمازی بھی مسجد میں آ گیا تو اس بیچارے کو لوگ شرمندہ کرنے لگے اوہو آج کیسے آگے کیا راستہ بھول گئے، مولوی صاحب بڑے دانشمند تھے انہوں نے فرمایا تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ نماز نہیں پڑھتے ممکن ہے گھر میں پڑھ لیتے ہوں لوگ کہنے لگے اجی یہ تو ہٹا کٹا ہے پھر مسجد میں کیوں نہیں آتا کوئی لنجا لنگڑا تو نہیں اندھا تو نہیں کوئی عذر نہیں فرمایا کہ بھائی کوئی عذر ہوگا جو تمہیں معلوم نہیں ان کی صورت سے تو نور معلوم ہوتا ہے۔ یہ بے نمازی تو نہیں ہے وہ شخص کہتا تھا کہ میں دنیا بھر کے وعظ سے بھی نماز نہ پڑھتا مگر ان کی تھوڑی سی طرفداری سے پکا نمازی بن گیا تو صاحبو! کہنے کا اثر کیوں نہ ہو اور دوسرا برا کیوں مانے تم اس طریقہ سے کہہ کر تو دیکھو اب تو طعن سے کہتے ہیں۔ یوں تو اگر اٹھا کر روپیہ بھی طعن سے دو تو دوسرا ضرور برا مانے گا۔ مثلاً اتنے زور سے اسکے ابرو پر[1] مارو کہ آنکھ ہی پھوڑ دو تو ضرور برا مانے گا غرض برے طریقہ سے کہا جاوے گا تو دوسرا ضرور برا مانے گا خواہ روپیہ کا معاملہ ہو یا نماز کا معاملہ اور اچھے طریقہ سے ممنون[2] ہوگا۔ ایک دفعہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے مجلس وعظ میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچا ہے اپنے وعظ میں تو کچھ نہ فرمایا جب وعظ ختم ہوا اور وہ مصافحہ کے لیے آیا فرمایا کہ آپ ذرا ٹھہر جائیں مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے وہ ڈرا کہ اب مجھے لتاڑیں گے جب سب لوگ

(۱) بھنوؤں پر مارو (۲) مشکور۔

چلے گئے تو آپ نے اس کو بلایا۔ اب ظاہر میں تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے یوں فرماتے کہ پاجامہ ٹخنوں سے لٹکانا حرام ہے مگر وہ تو حکیم تھے دیکھا یہاں یہ طرز نافع نہ ہوگا۔ فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے چونکہ اپنے عیوب خود کو معلوم نہیں ہوا کرتے لہٰذا تم کو دکھلاتا ہوں ذرا دیکھنا وہ عیب میرے اندر ہے یا نہیں وہ یہ کہ میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچا ہوجاتا ہے میں تمہارے سامنے کھڑا ہوتا ہوں دیکھنا ٹخنوں سے نیچے تو نہیں ہوتا کیونکہ اکثر میرا پاجامہ نیچے لٹک جاتا ہے اور حدیث میں ہے جو شخص مسبل ازار ہے یعنی پاجامہ ٹخنوں سے نیچے پہنتا ہے وہ دوزخ میں جاوے گا اور جتنی بھی وعیدیں اس بارہ میں آئیں تھیں سب اس بہانہ سے اس کے کان میں ڈالدیں اور کہا میں کھڑا ہوتا ہوں ذرا دیکھنا وہ پیروں میں گر پڑا اور کہا حضرت آپ میں یہ عیب کیوں ہوتا یہ عیب تو مجھ میں ہے۔ میں توبہ کرتا ہوں آئندہ نہیں کروں گا۔ تو کہنے کا ایک یہ بھی طریقہ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ایک بار میرٹھ تشریف لائے ان کے پاس ایک خان صاحب آیا کرتے تھے وہ داڑھی چڑھاتے تھے اور ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہنتے تھے لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور اس کا یہ حال ہے اس کو نصیحت کردیجئے اب مولانا کا طرز نصیحت دیکھئے۔ میں کہتا ہوں جس کو نصیحت کرنا ہو اس کا طریقہ بزرگوں سے سیکھ لے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نصیحت نہ کرے بلکہ طریقہ سیکھے نصیحت سب کرو مگر بزرگوں سے سیکھ کر۔ صاحبو! ہر چیز حاصل کرنے سے حاصل ہوتی ہے کوئی چیز یوں ہی نہیں آیا کرتی اور حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کے پاس رہو ان سے پوچھتے رہو وہ بتلادیں گے۔ یاد رکھو نصیحت میں سختی نہ کرو لطافت اور نرمی سے کہو اور اگر ممکن ہو دوسروں پر رکھ کر سنادو۔ مولانا رومیؒ کا شعر ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ اند در حدیث دیگراں (۱)

دوسروں پر رکھ کر سب کچھ کہہ بھی لو اور کسی کا دل بھی نہ دکھے۔ اب مولانا کی نصیحت دیکھئے فرماتے ہیں کہ بھائی میں تو کہہ دیتا مگر خان صاحب بڑے پکے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ اپنی وضع کے بہت پابند ہیں۔ جب تک اس فعل کی برائی سمجھ میں نہ آوے گی

(۱) ''محبوبوں کے ایسے اسراروں کا دوسروں کی حکایت وتمثیلات میں بیان ہونا مناسب ہے''۔

اس وقت تک چھوڑیں گے نہیں اور جب سمجھ لیں گے تو آپ ہی چھوڑ دیں گے۔ کسی کے کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ان سے جو یہ واقعہ کہا گیا تو وہ پگھل ہی تو گئے اسی وقت توبہ کی اور کہا کہاں میں اور کہاں مولانا! مگر پھر بھی۔ مولانا نے میری کتنی بڑی رعایت کی۔ اسی طرح کانپور میں ایک شخص داڑھی منڈاتے تھے اور مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ ایک بار ایک شخص سے کہا کہ مجھ کو حاضری کا بہت شوق ہے مگر میں داڑھی منڈا ہوں۔ اس لیے سامنے آتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میں نے جواب دیا شرم کی کوئی بات نہیں تمہارے اندر ظاہری عیب ہے میرے اندر باطنی عیوب ہیں اس کے بعد وہ مجھ سے ملنے آئے۔ تو پہلی دفعہ تو مُنڈی ہوئی داڑھی نظر آتی تھی مگر جب دوسری دفعہ آئے تو داڑھی پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے اور جب تیسری یا چوتھی دفعہ آئے تو داڑھی تمام تھی۔

اقسامِ نصیحت

بعض اوقات کچھ نہ کہنے کا بھی اثر ہوتا ہے چنانچہ میں ایک دفعہ ریل میں سفر کر رہا تھا اس میں ایک ڈپٹی کلکٹر بھی سوار تھے جب نماز کا وقت آیا ہم نے ریل میں نماز پڑھی اور وہ ویسے ہی بیٹھے رہے۔ میرے ایک دوست کہ وہ بھی ڈپٹی کلکٹر تھے اس سفر میں رفیق تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ان کو تم سے محبت معلوم ہوتی ہے تم ان سے کہو تو نماز پڑھ لیں گے میں نے کہا کہ مجھے کہنے کی کیا ضرورت ہے، یہ کوئی بچے ہیں کہ میں کہوں گا تو سمجھیں گے ورنہ نہیں سمجھیں گے۔ بالآخر ہم نے ان سے کچھ نہیں کہا اور نماز پڑھ لی اور حقیقت میں سب کچھ کہا مگر اس طریقہ سے کہا کہ دوسروں کو علم بھی نہ ہوا اور اثر ہوگیا۔ اب ان کا یہ گمان تھا کہ جب یہ نماز پڑھ کر بیٹھیں گے تو بولیں گے بھی نہیں۔ مگر میں پھر ویسے ہی بشاشت سے(۱) سے باتیں کرنے لگا اس سے ان پر یہ اثر ہوا کہ وہ پکے نمازی ہوگئے پھر وہ ہمارے ضلع میں پولیس کے سپرنٹنڈنٹ ہوگئے تھے اور وطن میں مجھ سے ملے تھے مجھ سے یہ بھی کہا میرا جی چاہتا ہے کہ تمہارے پیچھے نماز پڑھوں اس وقت نماز ایک دوسرے امام پڑھاتے تھے میں نے ان سے اجازت لے لی کیونکہ وہ تو

(۱) خوشی سے۔

دراصل میرے ہی نائب تھے تو کہنے کا بھی طریقہ ہوتا ہے کہنا کبھی صریح ہوتا ہے کبھی تدبیر سے موقع محل کا خیال کرنا چاہیے مگر فکر کہنے کی ہو۔ اگر اسی دھن میں لگے رہو تو یہ طریقے بھی معلوم کرنے کا شوق ہوگا مگر یہاں تو یہ فکر ہی نہیں بلکہ اپنی خیر منائی جاتی ہے اور نصیحت کریں گے بھی تو برے طریقہ سے جیسے دوسرے کے سر پر کلہاڑی ماردی جاوے اس کی بھی پرواہ نہیں کہ کس طرح کہنے سے فائدہ ہوگا؟ کیونکہ نصیحت کے بھی اقسام ہیں کبھی نصیحت قالی ہوتی ہے کبھی حالی۔ مولانا فرماتے ہیں:

گرچہ تفسیر زباں روشن گرست　　لیک عشق بے زباں روشن ترست (۱)

جہاں جو طریقہ مناسب ہو اسی کو اختیار کرنا چاہیے اور ہر موقع پر مختلف طریقوں سے نصیحت کرنا چاہیے اگر ایک طریقہ مفید ثابت نہ ہو تو دوسرے طور سے کرے پیچھا نہ چھوڑے۔ دیکھو جب اپنے لڑکے کو نصیحت کرتے ہیں تو کبھی مارتے ہیں کبھی پیار کرتے ہیں کبھی پیسے دیتے ہیں مٹھائی کھلاتے ہیں کبھی لڑکے کے سامنے اگر دوسرا برا کہتا ہے کہ یہ لڑکا خراب ہے یا بدشوق ہے تو تم کہتے ہو کہ نہیں ایسا نہیں وہ تو مدرسہ میں جاتا ہے اگر شوقین نہ ہوتا تو مدرسہ میں کیوں جاتا فضول تم اس کے سر ہوتے ہو اس سے تعریف مقصود نہیں ہوتی بلکہ ترغیب مقصود ہوتی ہے کبھی کہہ دیتے ہو کہ بھائی تمہاری چھٹی ہے اور اس سے مقصود تعطیل نہیں ہوتی بلکہ مقصود پڑھوانا ہے کہ آج تمہاری چھٹی ہے جلدی سے چار دفعہ سبق اور کہہ لو وہ چھٹی کا نام سن کر خوشی خوشی کہہ لیتا ہے غرض سب کو ایک لکڑی سے مت ہانکو مواقع اور مراتب کا لحاظ رکھو۔ ایسا نہ کرو جیسے ہمارے یہاں عقلمندوں کا ایک قصبہ ہے ضلع سہارنپور میں وہاں ایک شخص اپنے باپ سے کہا کرتا تھا کہ میں تو آپ کو بجائے باپ ہی کے سمجھتا ہوں خواہ آپ مجھے کچھ ہی سمجھیں۔ دیکھئے نامعقول باپ سے کہتا ہے کہ میں آپ کو بجائے باپ کے سمجھتا ہوں۔ اسی طرح ضلع مظفرنگر میں ایک قصبہ ہے وہاں کا ایک قصہ ہے کہ ایک شخص ایک معاملہ میں اپنے باپ سے کہتا ہے کہ آپ اپنے اخلاق درست کیجئے۔ ذرا اس نامعقول کا کلام تو دیکھئے قرآن میں تو حکم ہے کہ والدین کا ادب کرو ان کی تعظیم کرو حتی کہ اگر وہ کافر بھی ہوں تب بھی ان کے

(۱) ''اگرچہ زبان کا بیان روشن گر ہے لیکن عشق بے زبان زیادہ روشن ہے''۔

ساتھ شائستگی برتو دیکھئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انداز نصیحت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو نصیحت کی کیوں کہ وہ کافر تھے مگر کس خوبی سے فرماتے ہیں۔ يَـٰٓأَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ وَلَا يُغۡنِي عَنكَ شَيۡـٔٗا (۱) اے میرے اباجان! اولاً يَـٰٓأَبَتِ فرمایا۔ یہ لفظ ہی ایسا ہے کہ جس سے باپ پگھل جاتا ہے۔ کیونکہ باپ کو اپنی طرف نسبت کرنے سے اس پر خاص اثر ہوتا ہے جیسے بیٹے کو کہو اے میرے بیٹے تو اس کا خاص اثر ہوتا ہے اسی طرح یہ کہنا کہ اے میرے ابا اس کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے اس کا وہ اثر ہے جو تلوار کا بھی نہیں تو اولاً تو یہ لفظ ہی غضب کا موثر ہے پھر فرماتے ہیں کہ آپ ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ دیکھے نہ سنے نہ کچھ فائدہ ہی پہنچا سکے اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں۔ دیکھئے کس خوبی سے تبلیغ کی یہ نہیں کہ لٹھ سا مار دیں بلکہ اول تو اس میں ان کے طریقہ کی مذمت بیان کی پھر فرماتے ہیں۔ يَـٰٓأَبَتِ إِنِّي قَدۡ جَآءَنِي مِنَ ٱلۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَأۡتِكَ فَٱتَّبِعۡنِيٓ أَهۡدِكَ صِرَٰطٗا سَوِيّٗا (۲) یہاں بھی مکرر (۳) وہی لفظ ہے يَـٰٓأَبَتِ۔ شاید کسی کو وہم ہو کہ ایک دفعہ يَـٰٓأَبَتِ کہہ چکے ہیں پھر بار بار يَـٰٓأَبَتِ يَـٰٓأَبَتِ دھرانے کی کیا ضرورت؟ جواب یہ ہے کہ وہاں کوئی لیکچر تو دینا تھا! وہاں تو دل سوزی کی ضرورت تھی اس لیے بار بار وہی لفظ استعمال کرنا چاہیئے جس سے دل پگھل جائے تو فرماتے ہیں إِنِّي قَدۡ جَآءَنِي مِنَ ٱلۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَأۡتِكَ فَٱتَّبِعۡنِيٓ (۴) اے میرے باپ مجھے خدا نے ایسا علم دیا ہے جو آپ کو نہیں دیا آپ میرا اتباع کیا کیجئے أَهۡدِكَ صِرَٰطٗا سَوِيّٗا میں آپ کو سیدھا رستہ بتلاؤں گا جس میں کوئی کجی اور زیغ نہیں ہے جب سارے دلائل بطلان کے بیان کر چکے تو اب بطور تفریح کے فرماتے ہیں۔ يَـٰٓأَبَتِ لَا تَعۡبُدِ ٱلشَّيۡطَٰنَۖ إِنَّ ٱلشَّيۡطَٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمَٰنِ عَصِيّٗا (۵) پیارے ابا۔ شیطان کی پرستش نہ کیجئے بظاہر تو وہ بت کو پوجتے

(۱) مریم: ۴۲ (۲) ''اے اباجان اللہ نے مجھے ایسا علم دیا ہے جو آپ کو نہیں دیا آپ میرا اتباع کیجئے میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا'' مریم: ۴۳ (۳) دوبارہ (۴) مریم: ۴۴ (۵) مریم: ۴۴

تھے شیطان کی عبادت نہیں کرتے تھے مگر واقع میں وہ شیطان ہی تھا کیونکہ عبادت اصنام (۱) کا امر وہی کرتا ہے اس لیے بجائے صنم کے شیطان فرمایا جس میں اس پر تنبیہ تھی کہ عبادت اصنام درحقیقت عبادت شیطان ہے اور شیطان کو آپ بھی برا جانتے ہیں پھر جس کو آپ خود بھی برا جانتے ہیں ایسے کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ اس کو چھوڑ دیجئے

يَـٰٓأَبَتِ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ ٱلرَّحۡمَـٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيۡطَـٰنِ وَلِيًّا (۲) غرض یہاں انہوں نے چار دفعہ يَـٰٓأَبَتِ يَـٰٓأَبَتِ کہا اور یہ بھی جب ہے کہ آذر باپ ہو کیونکہ اس میں دو قول ہیں بعض نے کہا کہ آذر باپ تھا اور بعض نے کہا چچا تھا باقی راجح قول یہی ہے کہ باپ تھا اور یہ قول مرجوح ہے کہ چچا تھا اور باپ مجازاً کہدیا اگر باپ ہو تو دیکھئے کس قدر ادب سے پیش آئے اور اگر چچا ہو تب تو اور زیادہ ادب ہوتا ہے کہ آپ نے چچا کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جواب کوئی اپنے باپ کے ساتھ بھی نہیں کرتا بلکہ بجائے ادب کے اب تو یہ ہے کہ اگر باپ سے کوئی بات خلاف مرضی کے ہوجائے تو اس کو بھی حقیر اور ذلیل کرتے ہیں۔

دیہاتی کا مؤدبانہ انداز نصیحت

بہرحال نصیحت اگر ادب وشفقت کے ساتھ ہو تو اس کا خاص اثر ہوتا ہے۔ کالچی (۳) کا ذکر ہے کہ جامع مسجد میں ایک مسافر عطر فروش جمعہ کی نماز پڑھنے گیا اتفاق سے ایک داروغہ صاحب جماعت میں شریک تھے جماعت کے بعد لوگ حسب معمول سنتیں پڑھنے لگے داروغہ صاحب بھی ولائتی طریقہ سے سنتیں پڑھنے لگے جس میں ارکان کی تعدیل نہ تھی جب انہوں نے سلام پھیرا اس گندہی (۴) نے سامنے آکر سلام کیا اور کہا داروغہ جی کچھ عرض کرنا ہے حضور آپ کی نماز ٹھیک نہیں ہوئی اسے پھر پڑھ لیجئے وہ بڑے خفا ہوئے کیونکہ وہ تو دروغ (۵) بات کو پسند کرتے ہیں داروغہ ہی جو ٹھہرے وہ سچی بات کیوں سنتے مارے غصہ کے آگ بن گئے کہ نالائق بیہودہ تیری

(۱) بتوں کی پوجا کا وہی حکم دیتا ہے (۲) ''اے ابا جان میں اس سے ڈرتا ہوں کہ اللہ کی طرف پر کوئی عذاب آجائے اور آپ شیطان کے دوست بن جائیں'' مریم: ۴۵ (۳) جگہ کا نام ہے (۴) عطر فروش (۵) جھوٹی تعریف کو پسند کرتے ہیں۔

یہ جرأت کے مجھے نصیحت کرتا ہے اس نے کہا نہیں میں نصیحت نہیں کرتا میں اس قابل کہاں مگر میرا دل دکھتا ہے مجھے آپ کے وقت کا بڑا قلق ہے کہ آپ نے اتنی محنت کی اور یوں ہی رائیگاں جارہی ہے اس سے اور خفا ہوئے کہ خبردار چپ رہ مگر اس نے پیچھا نہ چھوڑا حتی کہ داروغہ نے اس کو مارا بھی مگر اس نے کہا اور مار لیجئے جی بھر کر پیٹ لیجئے مگر جب تک نماز اچھی طرح نہ پڑھو گے مسجد سے نکلنے نہ دوں گا میں نے تمہاری مار پٹائی سب معاف کی کیونکہ تم حقیقت سمجھتے نہیں اس لیے معذور ہو اب داروغہ عاجز آ گیا اس نے ہر چند ڈانٹا دھمکایا مارا پیٹا مگر کس طرح چھٹکارا نہیں ملتا اس شوروغل میں چاروں طرف سے لوگ جمع ہو گئے لوگوں نے داروغہ ہی کو ملامت کی کہ اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟ ایک مسلمان خیر خواہی کرتا ہے اور تم سختی کرتے ہو نماز دہرانے میں تو تمہارا ہی نفع ہے اب وہ نماز پڑھنے کو کھڑے ہوئے سوچا اگر ویسی ہی پڑھوں گا تو پھر پکڑا جاؤں گا لہٰذا تعدیل کے ساتھ پڑھنی چاہیے اب تو ایسی نماز پڑھی کہ شاید ان کی سات پشت تک بھی کسی نے ایسی نماز نہ پڑھی ہوگی گویا جنید بغدادیؒ نماز پڑھ رہے ہیں پھر اس گندہی نے معافی چاہی کہ میں نے آپ کو تکلیف دی داروغہ نے کہا کہ آپ مجھے معاف کر دیجئے اور بزبان حال کہا۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا باجان جاں ہمراز کردی (۱)

اب تو داروغہ راست (۲) جی ہو گئے تو دیکھئے یہ بھی طریقہ ہے نصیحت کا اس میں ثواب تو ان شاء اللہ ملا ہی اس کے ساتھ دنیوی نفع یہ ہوا کہ لوگ اس گندہی کے معتقد ہو گئے اسے بزرگ سمجھنے لگے پہلے تو وہ گند (۳) تھا اب طیب (۴) ہو گیا ساری بستی میں اس قصہ کی شہرت ہوگئی اب یہ جدھر جاتا ہے لوگ کہتے ہیں حضرت ذرا یہاں بیٹھ جایئے کوئی دوکان پر بٹھاتا ہے۔ کوئی گھر لے جاتا ہے کہ برکت ہوگی کوئی پان کھلاتا ہے کوئی شربت پلاتا ہے کوئی جلیبی پیش کرتا ہے اس نے کہا بھائی میں کوئی بزرگ نہیں ہوں میں تو معمولی عطر فروش آدمی ہوں اس سے لوگ اور معتقد ہو گئے کہا اچھا اور کچھ نہیں تو عطر مول دے دیجئے

(۱) ''اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے محبوب حقیقی سے ہمراز کر دیا'' (۲) داروغہ سیدھے ہو گئے (۳) خراب (۴) پاکیزہ۔

اب لوگ ضرورت سے نہیں بلکہ تبرکاً عطر خریدتے ہیں داموں (۱) میں بھی کچھ تکرار نہیں کرتے اگر زیادہ بھی چلے جائیں گے تو برکت ہوگی غرض اس کا عطر خوب بکا اور دین کی ایک بات سے دنیا کا بھی فائدہ ہوگیا میں نے جو کہا تھا کہ دین کی درستی سے دنیا کا بھی نفع ہوتا ہے اس میں ایک شعبہ یہ بھی ہے مگر اس میں دنیا کی نیت نہ کرنا چاہیے بلکہ خلوص ہونا چاہیے برکت خلوص ہی سے ہوتی ہے۔

خلوصِ نیت

مگر آج کل خلوص نیت ہی نہیں رہا بلکہ جو کام بھی دین کا کرتے ہیں۔ اس میں دنیا کی پخ (۲) لگی ہوتی ہے اپنے گھر میں وعظ کہلواتے ہیں شہرت کے لیے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں کے یہاں وعظ ہوا تھا۔ اور کسی نیک کام میں چندہ دیا تاکہ شہرت ہو کہ فلاں نے پچاس روپے دیئے ہیں کوئی سیکرٹری بننا چاہتا ہے کوئی صدر ہونا چاہتا ہے پھر اس کے لیے کسی کو ساتھ بھی لیجاویں گے کہ تم میری صدارت کی تحریک کرنا اور فلانے تم تائید کرنا اور تائید کرنے والے بکثرت ایسے جاہل کو دِن (۳) ہوتے ہیں کہ ان کو وہاں سبق پڑھایا جاتا ہے کہ میں یوں کہوں گا تم یہ کہنا خانہ ساز سازشیں ہوتی ہیں کہ میں یہ تقریر کروں گا تم اس طرح تائید کرنا اور وہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ حقیقت کو سمجھتے بھی نہیں غلط سلط جو زباں پر آتا ہے کہہ جاتے ہیں۔

فرمائشی تائید کا انجام

غلط پر ایک قصہ یاد آیا۔ کانپور میں ایک جلسہ میں کوئی صاحب ایک مہاجن کو اپنی تائید کے لیے لے گئے اول تو اسے گھر پڑھا کر لے گئے تھے کہ میں تقریر کروں گا تو تم یہ کہنا کہ میں بھی تائید کرتا ہوں وہ بیچارہ محض ہندی پڑھا ہوا تھا اس نے عمر بھر کبھی تائید کا لفظ سنا نہ تھا کیونکہ عربی کا لفظ ہے اس کے منہ سے نکلتا نہ تھا۔ ٹاؤن ہال میں جلسہ تھا سب تو تقریریں سن رہے تھے ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ مگر یہ بیچارا اس لفظ کو یاد کر رہا تھا پریشان تھا کہ کب وہ شخص تقریر کرے تاکہ جلدی سے میں یہ لفظ کہہ کر اس مصیبت سے

(۱) قیمت (۲) دنیا کی قید لگی ہوتی ہے (۳) بے وقوف۔

رہائی پاؤں دل سے بوجھ اترے۔ جب انہوں نے تقریر کی تو اس نے کھڑے ہوکر کہا صاحبو میں بھی اس کی تردید کرتا ہوں اب وہ پڑھانے والے آنکھیں دکھلاتے ہیں گھورتے ہیں اس نے تو سارا کیا کرایا ناس کردیا اگر وہ نہ بولتا تو اچھا تھا کیونکہ یہ تو بجائے تائید کے تردید کرنے لگا آنکھوں کے گھورنے سے وہ کچھ سمجھا کہ میں نے شاید غلطی کی تو جلدی سے اس نے کہا نہیں صاحبو ہم تاردید کرتے ہیں یہ کوئی لفظ ہی نہیں مہمل بے معنی ہے انہوں نے پھر اشارہ سے دھمکایا تو وہ کہتا کہ میں تاکید کرتا ہوں غرض اس نے بہت کوشش کی مگر وہ لفظ منہ سے نہ نکلا۔ پھر ایسے شخص سے تائید کرانا محض لاحاصل (۱) نہیں تو کیا ہے مگر بات کیا ہے وہی شہرت اور نمود اس لیے اس کے آثار بھی ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ثمرہ کچھ نہیں محض کاغذ پری۔

دوسرے کو نصیحت خود میاں فضیحت

میں ایک دفعہ ڈیگ علاقہ بھرت پور میں گیا تھا وہاں ایک شخص مجھ سے ملے وہ کسی انجمن کے سیکرٹری تھے مجھ سے کہنے لگے کہ یہاں کے مسلمان انجمن کی تائید نہیں کرتے ہیں میں نے کہا اس انجمن کے مقاصد کیا ہیں؟ کہا تعلیم علم دین، اعانت تکفین وتجہیز موتی، یتامیٰ کی امداد، مساجد کی مرمت۔ میں نے کہا بعضے کام تو کسی قدر آپ تنہا بھی کرسکتے ہیں مثلاً علم دین سکھلانا ہے تو علم دین کے دو درجے ہیں ایک اعلیٰ ایک ادنیٰ اگر آپ اعلیٰ درجہ کا نہیں کرسکے ادنیٰ درجہ کا تو کرسکتے ہیں مثلاً سیپارہ اور مالا بدکا ترجمہ اور راہ نجات یہ تو آپ پڑھا سکتے ہیں؟ کہا ہاں، پھر میں نے پوچھا کہ تم بھی اتنا کرتے ہو یا نہیں؟ جواب دیا نہیں۔ میں نے کہا پھر فضول مسلمانوں کی شکایت کرتے ہو تم سے تو خود انجمن کی خدمت ہوتی نہیں دوسروں کو بدنام کرتے ہو خدا کی قسم تم کام کرنے لگو تو لوگ خود ہی کھینچتے آئیں گے آج کل یہ بھی ایک مصیبت ہے کہ غیر کا عیب تو نظر آتا ہے اور اپنی بغل میں گند در گند ذخیرہ بھرا ہو مگر کچھ خبر نہیں۔

ہر یکے ناصح برائے دیگراں ناصح خود یافتم کم در جہاں (۲)

(۱) بیکار (۲) ''ہر شخص دوسروں کو نصیحت کرنے والا ہے خود اپنے آپ کو نصیحت کرنے والے دنیا میں کم ہیں''۔

ہر شخص غیر کا شاکی ہے پھر میں نے کہا اگر مردہ مرجائے اور تم کفن میں مدد نہ کرسکو قبر تک تو جاسکتے ہو معلوم ہوا کہ سیکرٹری صاحب دفن کرنے بھی کبھی نہیں گئے اور سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ ایسے کام کرتے تو جو لوگ ان کاموں میں اعانت نہیں کرتے سب کرنے لگیں۔ مسجد کی مرمت نہ ہوسکے تو وٹا چٹائی ہی دے دو۔ باقی یہ خوب رہی کہ تم حکومت کرو اور سب تمہارے غلام بنے رہیں حالانکہ سیدالقوم خادمھم (۱) یہ بزرگوں کا قول ہے۔

حقیقتِ سرداری

اس پر میں دو بزرگوں کا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ دو بزرگوں کو سفر درپیش ہوا تو آپس میں کہنے لگے کہ شریعت کا حکم ہے سفر میں ایک سردار ہونا چاہیے تاکہ انتظامات درست ہوں اس کے موافق ایک حاکم بنے ایک محکوم جو سردار تھے انہوں نے منزل پر پہنچتے ہی خود خیمہ گاڑا پانی لائے روٹی پکائی محکوم نے کہا اجی پھر میں کاہے کے واسطے ساتھ ہوا تھا کہنے لگے کہ دیکھو تم نے مجھے سردار بنایا ہے تو میرا کہنا مانو لہٰذا ساکت (۲) بیٹھے رہو وہ کہنے لگے کہ اس سے تو میں ہی سردار ہوجاتا تو اچھا تھا کہنے لگے آئندہ کو تم ہوجانا۔ صاحبو! ہمارے بزرگوں کی تو یہ عادت تھی کہ بڑے بن کر سب کے خادم ہوجاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس عیسائیوں کے بلائے ہوئے تشریف لے گئے ہیں تو آپ کا اور خادم کا ایک ہی اونٹ تھا باری باری دونوں اسی پر سوار ہوتے تھے سارا راستہ یونہی طے کیا اور جب بیت المقدس پاس آگیا تو آخری باری خادم کی تھی آپ نے اس کو سوار ہونے کا حکم دیا اور خود نکیل کھینچنی شروع کی اس نے عرض کیا کہ آپ امیر المؤمنین ہیں اب سوار ہوجایئے اب آپ عیسائیوں کے سامنے جارہے ہیں مگر نہ مانا اور اسی حالت میں عیسائیوں کے پاس جانے پر آمادہ ہوگئے۔ دیکھئے یہ حالت تھی ہمارے سلف کی کہ امیر المؤمنین نکیل پکڑے ہوئے ہیں اور خادم سوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے اونٹ تھے کم اور سوار زیادہ۔ تو دو تین آدمی کو ایک ایک اونٹ ملا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی دو شخص شریک ہوئے جب آپ کی چلنے کی

(۱) ''قوم کا سردار لوگوں کا خادم ہوتا ہے'' مشکوٰۃ المصابیح: ۳۹۲۵ (۲) خاموش۔

باری آئی تو آپ اتر پڑے ساتھیوں نے عرض کیا حضور ہم اپنا حصہ سواری کا آپ کو دیتے ہیں آپ نے فرمایا تم مجھ سے قوی نہیں اور میں تم سے زیادہ ثواب سے مستغنی نہیں میں بھی ثواب کا محتاج ہوں۔ سبحان اللہ یہ برتاؤ تھا حضور ﷺ کا اپنے خدام کے ساتھ کسی بات میں ترفع نہ (۱) تھا نہ نشست وبرخاست (۲) میں کسی قسم کا امتیاز تھا۔ جب حضور ﷺ کے دربار میں کوئی آتا تو ہر شخص تمیز نہیں کرسکتا تھا کہ ان میں آقا کون ہیں اور خدام کون۔ ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہؓ کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا من محمدفیکم کہ تم میں محمد کون ہیں؟ یہاں یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ آپ کو اس نے کیوں نہ پہچانا آپ کے چہرہ مبارک پر تو انوار وبرکات خداوندی نمایاں تھے۔ جواب یہ ہے کہ اول تو انوار دیکھنے کے لیے نظر چاہیے انوار کو ہر شخص نہیں پہچان سکتا ہر مومن بھی تمیز نہیں کرسکتا پھر غیر مومن کیا پہچانے؟ دوسرے انوار سے اتنا ہی تو معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ صاحب انوار مقدس ہیں باقی آقا اور سلطان ہونا کیونکر معلوم ہوسکتا ہے کیونکہ صاحب انوار کے لیے سلطان ہونا ضروری نہیں اور یہ شخص حضور کو سلطان ہی سمجھ کر آیا تھا ہنوز اس کو کمال نبوت کی خبر نہ تھی اسی طرح ظاہری حسن اور آب وتاب بھی آپ میں اس قدر تھی کہ کسی بڑے حسین وجمیل میں نہ تھی۔ مگر اس سے بھی سلطان ہونا کیسے معلوم ہو، لوازم سلطنت تو تاج وتخت وغیرہ ہیں جس سے آپ منزہ ہیں اس لیے ہر کس وناکس آپ کو نہیں پہچان سکتا تھا غرض آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ سب سے ملے جلے رہتے تھے کوئی امتیاز کوئی شان نہیں تھی اگر تم یہ کہو کہ حضور کی کیا بات وہ تو نبی تھے ہم ویسے کیوں کر ہوجائیں۔ میں کہتا ہوں کہ ارے جب باوجود اس عظمت کے نبی کی یہ عادت تھی تو ہم کو تو بہت زیادہ تواضع اختیار کرنا چاہیے اور اگر یہ سمجھ میں نہیں آتا تو میں ابھی ایک غیر نبی مگر عظیم الشان کا واقعہ سناتا ہوں۔ خودچہ کے ایک آدمی مجھ سے نقل کرتے تھے اب ان کا انتقال ہوگیا۔ وہ کابل گئے تھے مجھ سے بیان کرتے تھے کہ عبدالرحمن خان امیر کابل کا یہ حکم تھا کہ جب وہ دربار سے اٹھ جائیں تو پھر مجلس میں کوئی ان کی تعظیم نہ کرے دربار کے بعد مصاحبین کے ساتھ ہنستے بولتے تھے اور مصاحبین میں

(۱) شان تفاخر (۲) اٹھنے بیٹھنے میں۔

سے کوئی ان کی طرف پشت کئے ہوئے ہے کوئی پاؤں پھیلائے ہوئے ہے کچھ برا نہیں مانتے تھے تو واقعی مسلمان کی حالت ایسی ہی ہونی چاہیے یہ کیا کہ دیکھو فلاں داروغہ ہیں فلاں جج ہیں دیکھو کہیں گستاخی نہ ہوجائے ورنہ سزا ہوجائے گی کچھ نہیں۔ واللہ ہم کو نام ونمود نے خراب کررکھا ہے اسی لیے ہمارے اندر خلوص نہیں ہے ہمارے ہر کام میں اغراض فاسدہ بھری ہوئی ہیں ہمارے پہلے بزرگ تو دنیا کے کام بھی دین کی وجہ سے کرتے تھے اور اب دین کے کام بھی دنیا سے خالی نہیں ہر کام میں شہرت ونمود وجاہ کا خیال ہے جب ہم میں خلوص نہیں تو برکت بھی نہ ہوگی البتہ اول اول ایک دفعہ خوب آب وتاب اور عزت وشہرت ہوجاتی ہے پھر یہ حالت ہوتی ہے کہ یا تو کوئی اس کا نام ہی نہیں لیتا یا لیتا ہے تو دوگالی اول میں دیتا ہے اور دو آخر میں اور درمیان میں نام۔

اخلاص اور شہرت

صاحبو! اخلاص حاصل کرو اس سے بلا قصد شہرت بھی ہوگی اور عزت بھی، مولانا فرماتے ہیں:

کعب را ہردم تجلی مے فزود ایں زا خلاصات ابراہیم بود(۱)

ورنہ نام کا کعبہ تو اور لوگوں نے بھی بنایا تھا جو ظاہری زیب وزینت میں اس سے کہیں زیادہ تھا مگر کہیں اُن کا نام ونشان بھی نہیں رہا چنانچہ ایک کعبہ تو حضور سے پہلے یمن میں بنا تھا جس کے بانیوں نے اس سچے کعبہ کو اس جھوٹے کعبہ کی بے رونقی کا سبب دیکھ کر ہدم بیت اللہ(۲) کا ارادہ کیا تھا جس پر عذاب غیبی سے سب تباہ ہوئے اور ایک اور کعبہ حضور کے زمانہ میں بنا تھا۔ حضور نے اس کو منہدم(۳) کرادیا اگر کہو کہ منہدم نہ ہوتا(۴) تو شاید شہرت ہوتی اب شہرت ہو کیسے جب منہدم کرادیا تو میاں اس کعبہ پر بھی بہت سی آفتیں نازل ہوئی ہیں مگر وہی آب وتاب ہے اور اس مصنوعی کو کوئی جانتا بھی نہیں اور مثال لو ایک تو حضور نے دعویٰ کیا نبوت کا اور ایک مسیلمہ کذاب نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا مگر دونوں کا فرق دیکھ لیجئے مولانا فرماتے ہیں:

---

(۱) ''کعبہ کے لیے ہر وقت تجلیات کی زیادتی ہے صرف اس لیے کہ اس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خلوص نیت سے رکھی تھی'' (۲) بیت اللہ کو گرانے کا (۳) گرادیا تھا (۴) نہ گرتا۔

بو مسیلم را لقب کذاب ماند مر محمد را اوالالباب ماند(۱)

اس کا کذاب لقب ہوا اور حضور کو اولوالالباب کا خطاب ملا اور مولانا فرماتے ہیں:

احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بوجہل در بت خانہ رفت زیں شدن تا آں شدن فرقت زفت(۲)

اور فرماتے ہیں

گر بصورت آدمی انسان بُدے احمد و بوجہل ہم یکساں بُدے

اینکہ مے بینی خلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند(۳)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

کار پا کاں را قیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نوشتن شَیر وشِیر(۴)

ناصحانہ حکایت

اس شعر سے پہلے مثنوی دفتر اول میں مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ کسی عطار کے یہاں ایک طوطی تھی خوش آواز خوش رنگ وہ دکان پر نگہبانی کے لیے رہا کرتی تھی اور سوداگروں سے باتیں کیا کرتی آدمیوں کی بولی بولتی وہ بقال مالک طوطی ایک روز گھر گیا ہوا تھا اور طوطی دوکان کی نگہبانی کررہی تھی دفعۃً کوئی بلی چوہا پکڑنے دوڑی، طوطی اپنی جگہ سے جان کے خوف سے جست(۵) کرکے ایک طرف چلی وہاں روغن گل کی بوتل رکھی تھی اس کے بازو یا پاؤں لگنے سے گرگئی۔ مالک جب گھر سے آیا دیکھا کہ تمام دوکان اور فرش چکنا ہورہا ہے معلوم ہوا کہ یہ اسی کی حرکت ہے اس کو مارنا شروع کیا اتنا مارا کہ اس کے سر کے بال اڑ گئے گنجی کردی۔ اب وہ خفا ہوگئی ہر چند یہ اُس سے باتیں کرتا ہے بولتی ہی نہیں میوہ اور پھل دیتا ہے دعا تعویذ کراتا ہے فقراء کو خیر خیرات کرتا ہے مگر وہ بولتی ہی نہیں یہ بڑا پریشان ہوا اور اس پر بڑی حسرت سوار ہوئی۔ اپنی داڑھی کے بال نوچتا تھا

(۱) ''بو مسیلم کا لقب کذاب ہوا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خطاب اولوالالباب ہے'' (۲) ''بت خانہ میں تو دونوں گئے تھے مگر فرق کیا ہوا ابوجہل نے تو بتوں کو سجدہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانے سے آپ کے پیروں میں بت گر پڑے'' (۳) ''اگر آدمی کو انسان کی شکل میں دیکھے تو احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوجہل یکساں معلوم ہوں یہ کہ جو تم آدم میں خلاف پاتے ہو یہ تو آدم نہیں، آدم کے غلاف میں ہے'' (۴) ''نیک لوگوں کے کام کو اپنی طرح نہ سمجھو اگرچہ شَیر اور شِیر ایک طرح لکھے جاتے ہیں مگر مفہوم میں بہت فرق ہے (۵) کود۔

کہ ہائے دوکان کی رونق جاتی رہی اس وقت میرا ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گیا جب میں نے اس کو مارا تھا غرض حسرت واویلا کرکے مایوس ہوکر بیٹھ گیا۔ ہر قسم کی تدبیریں کیں طرح طرح پھل پھول نقش ونگار اس کے سامنے پیش کرتا تھا کہ کسی طرح بول اٹھے مگر سب بیکار۔ اس مایوسی میں تین روز کے بعد ایک گنجا اس کے سامنے سے گذرا جس کے سر پر مطلق بال نہ تھے جیسے تانبے کا طشت ہو اس کو دیکھتے ہی طوطی بول پڑی اور کہا

ازچہ اے کل باکلاں آمیختی تو مگر از شیشہ روغن ریختی(۱)

از قیاسش خندہ آمد خلق را کہ چو خود پنداشت صاحب دلق را(۲)

اس سے لوگ بہت ہنسے کہ اس نے گنجے کو بھی اپنا جیسا خیال کیا تو وہاں مولانا فرماتے ہیں:

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نوشتن شَیر وشِیر(۳)

اس طرح کہاں مخلص کا عمل؟ کہاں غیر مخلص کا؟ لوگ بزرگوں کی ریس کرتے ہیں کہ ان کی تو شہرت وعزت ہوتی ہے اور ہماری نہ شہرت ہے نہ کسی کے دل میں وقعت ہے نہ عزت ہے ارے ہو کیسے ان میں خلوص ہے اور یہ تم سے بمراحل (۴) دور ہے خدا کی قسم اگر خلوص سے کام ہو تو شہرت خود بخود ہوجائے صائب کہتا ہے۔

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا(۵)

غرض جو مٹنا چاہتا ہے وہ روشن ہوجاتا ہے اور جو شہرت چاہتا ہے اسے ذلت گھیر لیتی ہے اور بزرگوں نے جو کام بھی کیا خلوص سے کیا اس لیے ان کے ہاتھوں کام بھی پورا ہوا اور شہرت اور نیک نامی بھی ہوئی مگر ان کو کبھی شہرت کا قصد تو کیا وسوسہ بھی نہیں ہوتا تھا اور ہم تو ابتداء سے شہرت ہی چاہتے ہیں اس لیے وہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔ ارے کیا شہرت کا طالب بنے ہو ایسی تیسی میں جائے شہرت۔ مقصود اصلی تو خدا کو راضی

(۱) ''کہ او گنجے تو کس وجہ سے گنجوں میں شامل ہوا معلوم ہوتا ہے شاید تو نے بھی کسی کا روغن گرایا ہوگا''(۲)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۳) نیک لوگوں کے کام کو اپنے اوپر گمان مت کرو۔ اگرچہ شیر (درندہ) اور شِیر (دودھ) ایک طرح لکھے جاتے ہیں''(۴) کوسوں دور (۵) ''اگر تمہیں شہرت کی تمنا ہے تو گوشہ تنہائی کے دام میں اسیر ہوجاؤ کیونکہ گوشہ گیری کی وجہ سے عنقا تمام دنیا میں مشہور ہوگیا''۔

کرنا ہے بس جو کام کرو رضائے حق کو پیش نظر رکھو۔

کارِ پاکاں

غرض ہم میں بڑی کوتاہی یہ ہے کہ ہمارے اندر خلوص نہیں ہے حالانکہ ہمارے بزرگوں نے جو کچھ کامیابی حاصل کی خلوص ہی کے بدولت حاصل کی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس خلوص ہی کی برکت سے کتنی بڑی بڑی فتوحات حاصل کی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے اس وقت حضرت خالد بن ولیدؓ دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے حالانکہ یہ بڑے قوی اور شجاع تھے اور حضرت ابوعبیدہؓ ضعیف ونحیف تھے، گو تھے بڑی شجاعت اور مردانگی والے مگر اس وقت تک جرنیل نہیں تھے بلکہ حضرت خالدؓ کے ماتحت تھے۔ حضرت عمرؓ کی نظر دیکھئے کہ تخت امارت پر بیٹھتے ہی حضرت ابوعبیدہؓ کو جرنیل بنایا اور حضرت خالدؓ کو معزول فرمادیا لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ کیا کیا؟ وہ تو بڑے دلیر بہادر تھے اور یہ کمزور دبلے پتلے ہیں فرمایا اسی وجہ سے معزول کرتا ہوں کہ خالدؓ پر سب کی نظر ہوگئی ہے اور ابوعبیدہؓ کی امارت میں سب کی زبان پر یہی ہوگا کہ خدا ہی خیر کرے خدا ہی مدد فرمادیں اور جو فتح حاصل ہوگی وہ خدا ہی کی طرف سے بے ساختہ سمجھی جائیگی۔ حضرت یہ تھے سمجھنے والے دین کے چنانچہ آپ نے فرمان لکھا حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس کہ میں آج سے آپ کو عسکر اسلام کا جرنیل بناتا ہوں اور خالدؓ کو اطلاع کردو یعنی خود ان کو خط لکھا بھی نہیں کہ تمہارے بجائے ابوعبیدہؓ کو جرنیل مقرر کردیا گیا ہے۔ اب حضرت ابوعبیدہؓ شرمائے کہ میں کیسے ان کو کہوں اب تک تو ان کی ماتحتی میں کام کررہا تھا اور اب ان کو معزول کروں مگر امیر المومنین کا حکم تھا ماننا ضروری تھا اس لیے وہ خط ایک آدمی کے حوالہ کیا کہ اس کو حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس لے جاؤ اور یہ کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم کہ اسمیں میرا کوئی دخل یا خواہش نہیں ہے آپ مجھ سے کبیدہ خاطر نہ ہوں وہ خط پاکر خوشی خوشی حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ میں اپنے کو معزول کرتا ہوں اور امیر المومنین کا فرمان سرآنکھوں پر ہے۔ واللہ میں آپ کی اطاعت کروں گا اور کام پہلے سے زیادہ کروں گا پھر اس کی حقیقت بتلائی ورنہ شاید کوئی

اس قول کو شاعری پر محمول کرتا وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ اب تک کبھی کبھی مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ اگر میں مارا گیا تو لشکر بددل ہوکر پسپا ہوجائے گا کیونکہ عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ افسر کے مارے جانے سے لشکر بیکار ہوجاتا ہے اس لیے بہت دفعہ میں اپنی حفاظت کرتا تھا اور اب آزاد ہوں مجھ کو اندیشہ نہیں رہا اب ان شاء اللہ تعالیٰ میری خدمت دیکھئے گا۔ حضرت یہ لوگ تھے خادمان دین اور یہ وہ تھے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بار ان کو جاہ طلب بھی فرمایا تھا اور وہ واقعہ اسی طرح ہوا تھا کہ ایک بار حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو کچھ روپیہ دیدیا تھا۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ ان میں حب جاہ ہوگیا ہے حالانکہ ممکن ہے حضرت خالدؓ نے شاعر کو بیت المال کا مصرف سمجھ کر دیا ہو اور یہ سمجھے ہوں کہ یہ شخص محتاج ہے یا یہ خیال ہوا ہو کہ اگر نہ دیں گے تو شاید ہجو کرے کیونکہ شعراء کی حالت یہی ہے کہ اگر ان کو کچھ ملتا ہے تعریف کرتے ہیں نہیں ملتا تو ہجو کرنے لگتے ہیں چنانچہ ایک شاعر نے ایک شخص کی ہجو(۱) کی تھی اس نے کچھ انعام اکرام دیدیا تو پھر تعریف بھی کردی کسی نے کہا میاں ہجو بھی کرتے ہو اور تعریف بھی یہ تو اجتماع ضدین ہے(۲) کہا میاں دونوں حال میں سچا ہوں کیونکہ آدمی میں بھلائی برائی دونوں ہوتی ہیں ہم خوش ہوتے ہیں بھلائیاں بیان کردیتے ہیں ناخوش ہوتے ہیں برائیاں بیان کردیتے ہیں تو ممکن ہے کہ حضرت خالدؓ نے اس نیت سے دیا ہو کہ اس سے دفع شر ہوگا اور دفع شر کے لیے دینا جائز ہے لہٰذا ہم جیسوں کو تو ان پر اعتراض کا حق نہیں لیکن امیر المومنین کو حق ہے وہ ان کو جائز سے گزر کر اولیٰ اور احوط(۳) کے درجہ پر دیکھنا چاہتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی شان میں فرمایا ہے وَعَصَىٰٓ ءَادَمُ رَبَّهُۥ فَغَوَىٰ(۴) اور ہم لوگوں کو زبان کھولنے کی مجال نہیں غرض حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کردیا۔ جس میں اس واقعہ کو بھی دخل تھا سو اس حالت میں اگر یہ خلوص سے کام نہ کرتے ہوتے تو اس وقت ضرور کام چھوڑ دیتے مگر وہ تو خالق عمرؓ(۵) کے لیے کام کررہے تھے خواہ عمرؓ راضی ہوں یا ناراض اس کی ان کو پرواہ نہیں تھی۔ یہ رنگ تھا ہمارے بزرگوں کا۔

(۱) برائی (۲) دو متضاد صفات جمع کردیں (۳) بہت محتاط (۴) سورۃ طٰہٰ: ۱۲۱ (۵) عمر کے رب یعنی اللہ کے لیے کام کررہے تھے۔

بڑائی کا نقصان

اور ہماری یہ حالت ہے کہ اول ہی دن سے بڑا ہونے کا خیال ہوجاتا ہے اور یہ بڑا ہونا ایسی بری بلا ہے اکہ اگر کوئی بلا طلب وخواہش بھی بڑا ہوجائے تب بھی آفت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

تن قفس شکست اما خار جاں — از فریب دا خلاں وخار جاں
انیش گوید نے منم انبار تو — آنش گوید نے منم ہمراز تو
او چو بیند خلق را سرمست خوشی — از تکبر میرود زدست خویش،الخ(۱)

یہ مصائب ہیں شہرت اور بڑا ہونے کے اس لیے تفریعاً وصیت فرماتے ہیں۔

خویش را رنجور ساز وزار زار — تاترا بیروں کنند از اشتہار
اشتہار خلق بند محکم ست — بند ایں از ہند آہن کئے کم ست(۲)

یہ تو دین کی خرابی ہے اور دنیا میں یہ حالت ہوتی ہے۔

چشمہا و خشمہا ورُشکہا — برسرت ریز و چو اب از مشکہا(۳)

سب کا حسد اور احکام کی داروگیر اور جمہور کے مطالبات ساری دنیا کے اعتراضات اس پر پڑتے ہیں اور اگر شہرت نہ ہوتو کسی کو بھی اس کا خیال نہیں ہوتا اور نہ اس کو کسی کی پرواہ ہوتی ہے، یہ حال ہوتا ہے۔

لنگکے زیرو لنگکے بالا — نے غم دزد نے غم کالا(۴)

ایک دوست مجھ سے کہنے لگے اگر تین باتیں حاصل ہوں ایک تو کھانا دوسرے کپڑا اور تیسرے کوئی مارے پیٹے نہیں، تو اس کے بعد چاہے کوئی ہمیں بھنگی ہی سمجھے تو ہمارا حرج کیا ہے۔ حقیقت میں جن لوگوں نے جاہ کو مطلوب بالذات(۵) بنایا ہے بڑی

(۱) ''تن قفس کی مانند ہے اور جان کے لیے تکلیف دہ ہے کیونکہ وہ داخلی اور خارجی فریب میں مبتلا ہے یہ (تن) کہتا ہے کہ نہیں میں تو تیرا شریک زندگی ہوں اور وہ (جان) کہتی ہے کہ نہیں میں تیری ہمراز ہوں جب وہ مخلوق کو اپنی طرف متوجہ دیکھتی ہے تو غرور کی وجہ سے بے خود ہوجاتی ہے'' (۲) ''اپنے آپ کو افسردہ اور گمنام رکھو تاکہ لوگ تم کو شہرت سے باز رکھیں۔ مخلوق میں شہرت کا ہونا ایک مضبوط بند ہے۔ یہ بند لوہے کے بند سے کم نہیں ہے (۳) ''حسد، غصہ اور رشک میں ایسے برستے ہیں جیسے مشک سے پانی باہر نکلتا ہے'' (۴) ''ایک چادر نیچے ایک چادر اوپر، نہ ڈاکو کا ڈر، نہ چور کا خوف'' (۵) بڑائی وعزت کو مقصود بنالیا۔

غلطی میں ہیں اس سے دنیا کے مقاصد بھی حاصل نہیں ہوتے اور دین تو گیا ہی ہے اور اگر نیت صادق ہو خلوص ہو دنیا کی کوئی غرض نہ ہو تو دین بھی رہے گا اور دنیا کا بھی نفع ہوگا۔ دیکھو اس عطر فروش کی نیت اپنے عطر چلانے کی نہ تھی بلکہ وہ تو اس پر آمادہ تھا کہ عطر اور تیل بکنا کیا معنی۔ اگر میرا بھی عطر اور تیل نکل جائے (۱) تب بھی نصیحت نہ چھوڑوں گا پھر نتیجہ کیا ہوا کہ دین و دنیا دونوں کا بھلا ہوا تو حضرت نصیحت کا یہ طریقہ ہوتا ہے۔

نصیحت کا بھونڈا طریقہ

اب تو یہ آفت ہے کہ پہلے ہی سے یوں کہنے لگتے ہیں کہ تجھ کو شرم نہیں آتی بے ایمان بدمعاش، کیا یہ طریقہ ہے نصیحت کرنے کا، آخر وہ بھی تو آدمی ہے اس کو بھی اشتعال وغضب ہوتا ہے وہ برا مان کر کلمات کفر بکنے لگتا ہے۔ میرے ایک دوست بیان کرتے تھے کہ کسی موقع پر ایک محصل چندہ (۲) نے ایک شخص سے چندہ مانگا اُس نے عذر کر دیا اب وہ فرماتے ہیں کہ اسلامی کاموں میں مسلمانوں کی مدد کرنا مسلمان کا کام ہے کیا تم مسلمان نہیں ہو اس نے کہا ہاں میں مسلمان نہیں۔ محصل نے کہا کہ لکھ دو کہ تم مسلمان نہیں کہا لاؤ کاغذ اس نے لکھ بھی دیا اب کرلے کوئی اس کا کیا کرے اس کے بعد ایک شخص نے کہا میاں تم نے کیا بکا اور کیا لکھدیا تم اسلام سے خارج ہو گئے۔ کہنے لگا نعوذ باللہ میں کیوں اسلام سے خارج ہوتا میں تو پکا مسلمان ہوں کہا پھر تم نے یہ فعل کیوں کیا کہنے لگا ان سسروں (۳) نے تنگی کی مجھ پر جبر کیا میں نے انکار کیا پھر انہوں نے میرے انکار کو اسلام کے خلاف سمجھا اور مجھ سے لکھوانا چاہا کہ لکھ میں مسلمان نہیں میں نے لکھ دیا اور مطلب یہ تھا کہ جیسا تم جس کو اسلام کہہ رہے ہو جو چندہ نہ دینے سے جاتا رہا میں ویسا مسلمان نہیں اور سسروں کے لکھوانے اور کہلوانے سے کیا ہوتا ہے حق تعالیٰ تو یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ (۴) فرمائیں اور یہ کرتے ہیں تنگی۔ تو صاحبو! یہ طریقہ نہیں نصیحت کا۔

نصیحت کے مختلف انداز

دیکھئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ بنی ثقیف کا ایک وفد آیا تھا اور کہا

(۱) مار مار کر میرا بھرکس بھی بنادیں (۲) چندہ جمع کرنے والے (۳) ان کمبختوں نے مجھے مجبور کیا (۴) ''اللہ تعالیٰ تم سے آسانی کرنا چاہتے ہیں'' سورۃ البقرۃ: ۱۸۵۔

کہ ہم دو شرطوں سے اسلام لاتے ہیں ایک تو یہ کہ زکوٰۃ نہیں دیں گے دوسرے یہ کہ جہاد نہیں کریں گے یعنی نہ مال خرچ کریں گے نہ جان، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں شرطوں کو منظور فرمالیا۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ یہ شرطیں کیسے تسلیم کرلیں باجودیکہ زکوٰۃ وجہاد دونوں فرض ہیں۔ فرمایا کہ تم ان کو مسلمان تو ہونے دو جب اسلام ان کے دل میں گھر کرلیگا اس وقت سب کچھ خود ہی کریں گے کہنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ تم کسی کو شراب پلاؤ اور وہ کہے اس شرط سے پیتا ہوں کہ پی کر جھولوں گا نہیں (۱) تو آپ کو اس شرط کے ماننے سے انکار کی کیا ضرورت ہے وہ تو خود ہی شراب ہی جھولا دیگی (۲)۔ تمہارے جھلانے کی ضرورت نہیں اسی طرح اسلام خود ہی زکوٰۃ بھی دلوادے گا اور جہاد بھی کرادے گا۔ بغیر اس کے چین نہیں ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کوئی شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں بشرطیکہ نماز سے چھٹی مل جاوے آپ نے انکار فرمایا کیونکہ اس میں کوئی خرچ نہیں جس سے تنگی ہو اور اس وقت ایسے کم ہمت نہ تھے کہ ہاتھ پاؤں نہ چلائیں۔ لیکن اب ایسے بھی کم ہمت ہیں اس لیے اب اگر کوئی یہ شرط لگاوے کہ ہم مسلمان اس شرط پر ہوسکتے ہیں کہ ہم کو نماز سے معافی دی جاوے تو ہم اس کی بھی اجازت نہ دیں گے۔ چنانچہ مولانا مظفر حسین صاحب ایک بار گڑھی جو ایک مقام ہے تشریف لے گئے تھے وہاں ایک بڑا رئیس فیل نشین تھا (۳) جو نماز نہیں پڑھتا تھا۔ مولانا نے اس سے دریافت فرمایا کہ خانصاحب نماز کیوں نہیں پڑھتے کہا مولانا مجھ کو داڑھی چڑھانے کا شوق ہے اور وضو کرنے سے وہ بار بار خراب ہوجاتی ہے پھر دن میں پانچ دفعہ اتارنا چڑھانا مصیبت ہے مولانا نے فرمایا کہ تم بے وضو پڑھ لیا کرو۔ انہوں نے کہا اس طرح تو ضرور پڑھ لوں گا فرمایا ہاں مگر ایک شرط ہے وہ یہ کہ جماعت سے پڑھنا اور مسجد میں پڑھنا کہا بہت اچھا۔ شاید دو ایک وقت خانصاحب نے بے وضو ہی ٹرخائی پھر خیال ہوا کہ میاں خواہ مخواہ اتنی محنت بھی کی اور پھر نماز بے وضو پڑھی۔ غرض تیسرے ہی وقت سے وضو کرنے لگے اور وضو کرکے پھر داڑھی چڑھاتے مگر دو ایک روز

(۱) نشہ میں گھوموں گا نہیں (۲) جب نشہ شراب چڑھے گا خود ہی جھولے گا (۳) ہاتھی کی سواری کرنے والا۔

کے بعد کہا کہ میاں میں یہ اتار چڑھاؤ اور ادھیڑ بن کب تک کروں گا اب داڑھی چڑھانا بھی چھوڑ دیا۔ تو مولانا نے جو بے وضو کی اجازت دی تھی تو مولانا نے یہ سمجھا تھا کہ جب جماعت سے نماز پڑھے گا تو ان میں کوئی اللہ والا بھی ہوگا اس کے قلب کا نور اس پر پڑے گا اور یہ صحیح طور سے نمازی ہوجائیگا، دوسرے خانصاحب کو بھی عبرت ہوگی مولانا نے یہ راز سمجھ کر اجازت دی تھی۔ یہ نہ سمجھنا کہ بے وضو تو نماز ہوتی ہی نہیں پھر مولانا نے کیسے اجازت دی، بات یہ ہے کہ مولانا نے جواز کا فتویٰ نہیں دیا تاکہ ان پر اعتراض ہو بلکہ اس کے نمازی بنانے کا طریقہ یہی سمجھا اور یوں خیال فرمایا ہوگا کہ جہاں اس نے اور نمازیں ترک کی ہیں چار وقت اور بے نمازی رہ لے گا مگر طریقہ یہی ہے اس کو راہ پر لگانے کا کیونکہ مولانا نے دیکھا کہ یہ عہد و پیمان کا بڑا پکا ہے غیرت مند ہے جب کام شروع کرے گا چھوڑے گا نہیں اس وقت کے دیندار تو اتنے پکے ہوتے تھے کہ اب دینداروں میں بھی وہ پکا پن نہیں ہے اس کو عراقی کہتے ہیں:

بہ قمار خانہ رفتم ہمہ پاک باز بینم چو بصومعہ رسیدم ہمہ یافتم ریائی(۱)

یہ قمار خانہ(۲) میں پاک باز کیسے، مطلب یہ ہے کہ بعض صفات میں وہ پاک باز تھے یعنی عہد و پیمان کے پکے تھے۔ گو دین کے پکے نہ تھے کیونکہ اگر سب جواری بدعہدی کریں تو بازی کسی کو بھی نہ ہو تو نری لڑائی ہوا کرے تو پہلے لوگ قول کے پکے تھے اگر کبھی نمازی ہوجاتے تو اس میں بھی پکے ہوجاتے تھے۔

مستقل مزاجی کی قدر

اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی سید الطائفہ حضرت جنیدؒ ایک جگہ تشریف لے گئے تو راستہ میں دیکھا کہ سولی پر ایک چور لٹک رہا ہے جس کا ہاتھ بھی کٹا ہوا پاؤں بھی کٹا ہوا اور عبرت کے لیے سولی پر ٹانگ رکھا ہے۔ حضرت جنید نے جا کر اس کے پاؤں چوم لیے خدام سب حیران کہ شیخ کیا کرتے ہیں، چور کی قدم بوسی کرتے ہیں۔ عرض کیا، حضرت یہ کیا کرتے ہیں یہ تو بڑا چور تھا ایک دفعہ اس کا ہاتھ کٹا پھر پاؤں بالآخر سولی پر

(۱) ''جب میں قمار خانہ پہنچا وہاں کے لوگوں کو نظم وضبط کا پابند پایا۔ جب گرجا پہنچا وہاں لوگوں کو نظم وضبط سے آزاد پایا'' (۲) جوا خانہ۔

چڑھایا گیا فرمایا میں نے اس کی دیانتداری پر قدمبوسی نہیں کی بلکہ اس کی پختگی پر قدم بوسی کرتا ہوں کہ اس نے کتنی سزائیں پائیں مگر اپنے کام میں پکا رہا اخیر تک وہی حالت رہی۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید یا تن رسد بجاناں یا جان زتن برآید(۱)

اس سے لوگوں پر ایک حالت طاری ہوگئی اور سب اپنے اپنے کام میں پکے ہوگئے۔

طریقہ نصیحت

اسی بناء پر حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ اخلاق اپنی اپنی جگہ میں سب اچھے ہیں صرف مصرف کے اعتبار سے ان میں بھلائی برائی آجاتی ہے۔ اسی طرح خان صاحب کی پختگی کا وصف دیکھ کر ان کو اس ترکیب سے مولانا راہ پر لگا گئے تھے۔ یہ سب کچھ نرمی کی بدولت ہوا اگر سختی کرتے تو ہرگز یہ اثر نہ ہوتا اسی لیے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (۲) اگر نصیحت موعظت حسنہ سے ہوگی اس سے کسی کو ناگواری نہ ہوگی اور فرضاً اگر نصیحت سے دوسرا غصہ بھی ہوگیا تب بھی لڑو مت اس وقت چپ رہو دوسرے وقت سمجھاؤ کہ بھائی تم تو برامان گئے غور تو کرو یہ کیسی اچھی بات ہے اس کو قبول کرلو۔ اگر ایک دفعہ سے کام نہیں چلتا تو مکرر سے (۳) سمجھاؤ غرض سر ہوجاؤ اور صرف اسی پر اکتفا نہ کرو بلکہ خلوت میں ذات باری سے دعا بھی کرو کہ خطاب کا اثر اس کے قلب میں پیدا کرے یا اللہ! ہم نے کام شروع کیا ہے تو اس کو پورا فرما اگر پکے رہو اور ان کے سر ہوجاؤ انشاء اللہ کام ضرور بن جاوے گا۔

مبالغہ فی النصیحت

انبیاء علیہ السلام کے حالات دیکھئے وہ کیا کرتے تھے فرماتے ہیں أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (۴) ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکراہ تلوار سے نہیں کیا تھا بلکہ نصیحت سے اکراہ فرماتے تھے یعنی ان کا پیچھا نہیں

(۱) ''میں طلب سے اس وقت تک باز نہ آؤں گا یا تو بدن محبوب حقیقی تک پہنچ جائے یا جان جسم سے نکل جائے''

(۲) ''اپنے رب کے راستہ کی طرف بلایئے حکمت اور مواعظ حسنہ سے'' سورۃ النحل: ۱۲۵ (۳) دوسری اور تیسری دفعہ سمجھاؤ

(۴) ''پس کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر زبردستی کرسکتے ہیں، جس میں وہ ایمان ہی لے آئیں'' سورۃ یونس: ۹۹۔

چھوڑتے تھے اس میں مبالغہ فرماتے تھے اس مبالغہ فی النصیحت کو حق تعالیٰ نے برا نہیں بتایا بلکہ مبالغہ کے بعد جو ناصح کی طبیعت پر رنج کا اثر ہوتا ہے اس سے آپ کو بچانا مقصود ہے کیونکہ فطری بات ہے کہ نصیحت کی ناکامی بلکہ ہر چیز کی ناکامی کا قلب پر ایک اثر ضرور ہوتا ہے اور جب رنج ہوتا ہے تو بعض اوقات اس کام ہی سے رہ جاتا ہے چنانچہ اسی لیے وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۔(۱) فرمایا یا اتنی مشقت نہ کرو جس کے عدم ترتب ثمرہ پر رنج ہو جائے(۲) مقصود کو دیکھنا چاہیے سو یہ مقصود اصلی نہیں کہ بس مخاطب ہمارے کہنے سے مسلمان ہی ہو جائے گو ایک درجہ میں یہ بھی مقصود ہے مگر خود اس کی بھی حقیقی غایت پر خیال کرنا چاہیے وہ کیا ہے وہ رضائے حق ہے اور وہ ناکامی بھی حاصل ہے اس لیے ایسی ناکامی پر بھی راضی رہے اس کو بھی کامیابی ہی سمجھے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

گر مرادت را مذاق شکر ست بے مرادی نے مراد دلبرست(۳)

اور فرماتے ہیں:

بس زبوں وسوسہ باشی دلا گر طرب راباز دانی از بلا(۴)

ثمرہ پر عدم نظر

ایک بزرگ نے ایک دینی مقصود میں کوشش کی تھی مگر اس میں کامیاب نہ ہوئے اس پر کسی نے طعن کیا کہ میاں اس کوشش سے کیا ملا انہوں نے خوب جواب دیا سودا کے شعر سے۔

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

مگر یہ جب ہے کہ مقصود اور عمل شریعت کے خلاف نہ ہو ورنہ خسر الدنیا والاٰخرہ (۵) ہو جاویگا غرض عاشق کو ثمرہ پر نظر نہیں ہوتی عاشق کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ

(۱) ''اور ان پر غم نہ کیجئے اور یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو جایئے'' سورۃ النحل: ۱۲۷ (۲) نتیجہ برآمد نہ ہونے پر غم ہو (۳) ''اگرچہ تمہاری مراد شکر کی طرح پسندیدہ ہے کیا بے مرادی محبوب کی مراد نہیں ہے'' (۴) ''تم بالکل مغلوب وساوس سمجھے جاؤ گے اگر محبوب کے کرب وبلا میں فرق سمجھو گے'' (۵) ''دنیا وآخرت کا نقصان'' سورۃ الحج: ۱۱۔

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من(۱)

اور یہ مذہب ہوتا ہے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
جان شد مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو(۲)

عاشق کو اس سے کیا بحث کہ کام ہو یا نہیں اس کی نظر تو یہاں تک بلند ہوتی ہے کہ اگر محبوب کو صرف خبر ہی ہوجائے کہ فلاں اس کا چاہنے والا ہے وہ اس پر بھی اکتفا کرتا ہے یعنی اس کو رضا کا بھی خیال نہیں ہوتا اسی کو کہتے ہیں۔

ہمینم بس کہ داند ماہرویم کہ من نیز از خریداران اویم(۳)

داند کہتے ہیں اور جو مغلوب الحال ہوتے ہیں وہ اسے بھی آگے کہتے ہیں۔

ہمینم بس اگر کاسد قماشم کہ من نیز از خرید رانش باشم(۴)

غرض نتیجہ پر نظر مت کرو جو کرنے کا کام ہے وہ کرو۔

عملی نمونہ

ان ہی کرنے کے کاموں میں سے ایک تبلیغ اور ترغیب بھی ہے مگر اس سے پہلے اپنی اصلاح کرو تاکہ تم کو دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہونے لگیں پہلے مسلمان عملی نمونہ ہوتے تھے۔ تاریخ سے بکثرت پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اسلام کے زمانہ میں کفار جاسوس کے طور پر لشکر اسلام میں آئے اور مسلمان ہوگئے، پھر کفار کے لشکر میں جاکر اسلام پھیلایا، ایک واقعہ ایسے ہی اثر کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہوگئی تھی آپ نے اس کو ایک یہودی کے پاس دیکھا اس وقت آپ خلیفہ تھے کہا یہ زرہ میری ہے۔ یہودی نے کہا میری ہے دیکھئے خلیفہ کے مقابلہ میں ایک رعیت کا آدمی کس

(۱) ''محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گا گو وہ طبیعت کو ناخوش ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے جو میری جان کو رنج دینے والا ہے میں اپنے دل کو اس پر قربان کرتا ہوں'' (۲) ''زندہ کریں آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ پر قربان ہوں جان آپ پر مبتلا ہے آپ جو بھی کریں میں اس سے راضی ہوں'' (۳) ''یہی کافی ہے کہ میرا محبوب جان لے کہ میں بھی اس کے خریداروں میں سے ہوں'' (۴) ''یہی بہت ہے کہ اگر کھوٹی پونجی یعنی غریب ہوں لیکن اس کے خریداروں کی لڑی میں آجاؤں''۔

بیبا کی سے کہتا ہے کہ یہ چیز میری ہے۔ یہ اسلام ہی کے قوانین سے تو اس کی جرات تھی کیونکہ جانتا تھا کہ بادشاہ کے صرف کہنے سے یہ زرہ ان کی نہ ہوجائے گی دیکھئے اسلام کی کتنی خوبی ہے کہ غیر قوموں کو بھی اس سے نفع ہوتا تھا اب تو یہ حال ہے کہ خود مسلمان بھی اس سے نفع نہیں لیتے ہیں۔ غرض آپ نے قاضی کے پاس جا کر دعویٰ کیا اس وقت قاضی تھے شریح تابعی وہ آپ کے ماتحت تھے اب دیکھئے ادھر آپ بادشاہ اور شیخ کامل صاحب فضائل اور حضرت علیؓ کے خصائص وفضائل دیکھ کر کہیں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ آپ جھوٹ بول سکتے ہیں ہرگز نہیں مگر بایں ہمہ (۱) حضرت شریح یہودی کے مقابلہ میں حضرت علیؓ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی گواہ ہے؟ صاحبو! اب تو حضرت علیؓ کیا اگر ہم بھی ہوتے اور ہمارا کوئی شاگرد یا مرید قاضی ہو اور وہ ہم سے گواہ طلب کرے تو کہتے کیوں جی کیا ہم جھوٹ بولتے ہیں مگر وہاں تو یہ بات نہ تھی وہ تو قوانین اسلام کے پابند تھے چنانچہ حضرت علیؓ نے گواہ پیش کئے ایک قنبر (نامی) آزادشدہ آپ کے غلام تھے اور ایک آپ کے بیٹے امام حسنؓ۔ شریح نے کہا غلام آزادشدہ کی تو شہادت معتبر اور لڑکے کی شہادت باپ کے حق میں قبول نہیں کی جاتی۔ حضرت شریح کا مذہب یہی تھا کہ اولاد کی شہادت باپ کے حق میں مقبول نہیں اس میں اختلاف ہے کہ اولاد کی شہادت معتبر ہے یا نہیں۔ حضرت علیؓ کا مذہب یہ تھا کہ معتبر ہے اسی لیے ان کو پیش کیا اور شریح کے نزدیک معتبر نہیں اور قاضی فیصلہ کے وقت اپنے مذہب پر عمل کرے گا کہ بادشاہ کے مذہب پر اس لیے شریح نے حکم دیا کہ زرہ یہودی کی ہے۔

حضرت علیؓ مقدمہ ہار کر عدالت سے ہنسی خوشی نکل آئے کوئی تکدر اور رنج نہ ہوا۔ یہودی نے دیکھا کہ باوجودیکہ یہ بادشاہ ہیں مگر میرے مقابلہ میں ان کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ کہا اگر یہ مذہب سچ نہ ہوتا تو اس میں اتنی حقانیت وبرکت نورانیت نہ ہوتی۔ بس کلمہ شہادت پڑھ کر کہا کہ حضور آپ ہی کی زرہ ہے میں مسلمان ہوتا ہوں آپ نے کہا اب میں نے تم کو ہبہ کردی وہ حضرت علیؓ سے بیعت ہوگیا اور جنگ صفین میں شہید ہوا۔ دیکھا آپ نے کہ ایک زرہ کے ادنیٰ معاملہ نے کیا کیا۔ دیکھئے ہمارے بزرگ کیسے تھے کہ ان

(۱) اس سب کے باوجود۔

کی حالت کو دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوئے تھے اور اب ہم کو دیکھ کر کوئی کافر ہو جائے تو تعجب نہیں۔

ہماری حالت کا دوسروں پر اثر

اس کے مناسب مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ کسی مقام پر کافروں کے محلہ میں ایک موذن جا کر اذان کہا کرتا تھا جو بڑا ہی بدآواز تھا مگر اس کے دماغ میں یہ خبط سمایا ہوا تھا کہ میں خوش آواز ہوں۔ یہ بھی ایک مرض ہے۔ چنانچہ میں نے بھی مکہ میں دیکھا کہ ہر جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد ایک ہندی حاجی سورہ الرحمن بہت چلا چلا کر پڑھا کرتا تھا پھر غلط میں نے دل میں کہا ارے ظالم کیوں ہندوستان کو بدنام کرتا ہے مگر وہ سمجھتا ہی نہ تھا اسی طرح وہ مؤذن تھا اسی اثناء میں ایک کافر رئیس نے ایک دن اس بدآواز کے سامنے مٹھائی وغیرہ پیش کی اس کی برادری نے اس پر ملامت کی کہ ایک مسلمان کا اتنا اکرام اس نے کہا میری ایک لڑکی کو اسلام کی طرف میلان ہو گیا تھا۔ میں بڑا پریشان تھا ہر وقت خائف رہتا تھا کہ کہیں یہ نکل جائے جب یہ مؤذن بدآواز آیا تو لڑکی نے پوچھا کہ ابا جان یہ کیا ہے میں نے کہا کہ یہ اسلام کی اذان ہے بس یہ سن کر اسے اسلام سے نفرت ہو گئی تو اس نے اس شکریہ میں اس بدآواز کو مٹھائی دی تھی کہ یہ تو میرا بڑا محسن ہے کہ اس کے آنے سے میری لڑکی کو اسلام سے نفرت ہو گئی یہ تو حکایت ہے مگر ہماری حالت ایسی ہے کیوں کہ آج کل معاملات میں بعض اعتبار سے ہم کافروں سے بھی گرے ہوئے ہیں۔ ہزاروں کافر ایسے نکلیں گے جو وعدہ کے پکے عہد کے پورا کرنے والے ہیں۔ کسی پرانے انگریز یا ہندو کے پاس امانت رکھو تو دل میں کھٹک نہ ہو گی اور مسلمان کے پاس رکھنے سے کھٹک ہوتی ہے صاحبو! اب تو لوگوں کو کافر پر زیادہ اعتماد ہے خواہ کھا ہی جاوے اور مسلمان پر اعتماد نہیں یہ کیسی ڈوب مرنے کی بات ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کرو مگر یہ نہیں کہ اپنی اصلاح کے انتظار میں دوسرے کو نصیحت نہ کرو بلکہ دوش بدوش دونوں کام[1] کرو اگر ایک ہی طرف لگ

(۱) دونوں کام ساتھ ساتھ کرو۔

جاؤ گے تو ممکن ہے کہ دوسرے مرض کی قوت ہو جاوے۔

تحصیل علوم کی ترتیب

اس کو ایک نظیر سے سمجھو مثلاً تعلیم کا بعض جگہ قاعدہ یہ ہے کہ معقولات (۱) کے ساتھ منقولات (۲) بھی پڑھتے ہیں یہ ٹھیک قاعدہ ہے اور بعض جگہ پہلے کل معقولات پڑھتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر منقولات کی نوبت ہی نہیں آتی یا یہ شخص بد دماغ ہو جاتا اور جو مقصود تھا اس سے رہ جاتا ہے مقصود تو ہے منقولات اور معقولات محض اس کا آلہ ہیں کہ اس سے منقولات کے سمجھنے میں ایک گونہ مدد ملتی ہے تو یہ کتنی حماقت ہے کہ معقولات میں ایسے پھنسے کہ منقولات کے سمجھنے کی نوبت ہی نہ آئی اور بعض جگہ پہلے منقولات اور پھر معقولات پڑھتے ہیں اس کی مضرت آج کل یہ ہے کہ فہم کی کمی سے بعض بعض مشکل جگہ ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ لہٰذا تجربہ کار بزرگوں نے یہ ترتیب رکھی ہے کہ دونوں کو دوش بدوش رکھتے ہیں۔

طریق باطن میں ترتیب

اسی طرح طریق باطن میں بھی یہی تفصیل ہے۔ پہلے بزرگوں میں اختلاف تھا کہ تخلیہ (۳) مقدم ہونا چاہیے یا تحلیہ۔ دونوں کے پاس دلائل موجود ہیں مگر آج کل محققین نے اس طرز کو بدل دیا ہے کسی کو مقدم یا موخر نہیں کیا بلکہ ساتھ ساتھ دونوں کو رکھا ہے اب اتنی قوت کہاں؟ اتنا زمانہ کہاں ملتا ہے کہ ایک کو الگ دوسرے کو الگ حاصل کیا جائے بس تا تو بمن می رسی من بخدا میرسم (۴) کا قصہ ہو جاتا ہے غرض اصلاح نفس واصلاح غیر دونوں کو ساتھ ساتھ کرتے رہو۔ بعض تو غیر ہی کی اصلاح میں ایسے کھپ جاتے ہیں کہ اپنی مطلق خبر نہیں رہتی۔

مقتدایان اسلام

اس وقت کثرت سے ایسے ہی لوگ موجود ہیں اور وجہ اس کی صرف نام ونمود

(۱) عقلی علوم منطق وفلسفہ وغیرہ (۲) نقلی علوم قرآن وحدیث جو نقل ہو کر ہم تک پہنچے عقل کو اس میں دخل نہیں (۳) پہلے بری خصلتوں سے چھٹکارا پائے پھر اچھی خصلتیں اپنے اندر پیدا کرے یا پہلے اچھی خصلتیں سیکھے پھر برائیوں سے چھٹکارا پائے (۴) جب تک تم میرے پاس پہنچو گے میں مر چکوں گا۔

ہے آج کل وہ لوگ جن کا نماز روزہ تک ٹھیک نہیں عقائد خراب ہیں حلال وحرام کی تمیز نہیں مصلح قوم بنے بیٹھے ہیں چنانچہ ایک بہت بڑے لیڈر کا واقعہ ہے کہ وہ کہیں جا پھنسے نمازیوں میں وہاں پانی وضوء کا نہیں ملا تو سب سے سبقت کر کے آپ نے تیمم کیا مٹی لے کر کلائی تک ملی حالانکہ تیمم میں اول منہ پر ہاتھ ملا جاتا ہے مگر ایجاد بندہ آپ نے سمجھا کہ جب یہ وضو کا خلیفہ ہے تو اس جیسا ہونا چاہیے اول کلائی پر مٹی ملی پھر منہ میں مٹی لے کر کلی کرنا چاہا اس پر سب لوگ ہنسے تب میاں شرمندہ ہوئے جب جانتے نہیں تھے تو شوق ہی کیوں ہوا سبقت کا۔ انہیں لیڈر کا اور قصہ ہے کہ ایک بار موٹر پر سوار تھے کہ نماز کا وقت آ گیا آپ نے وہیں موٹر میں بیٹھ کر نماز پڑھی کیونکہ موٹر سے اترنا خلاف شان تھا کیونکر اتریں بہت لوگوں کو خبط ہے کہ وہ ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں یاد رکھو استطاعت قیام (۱) کی حالت میں بیٹھ کر نماز نہیں ہوتی خیر ریل میں ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ چلتی ہے اور چلنے کے بعد ہمارے اختیار سے نہیں ٹھہرتی اور بعض دفعہ حرکت بہت ہوتی ہے اس میں معذور آدمی بیٹھ سکتا ہے۔ موٹر تو کھڑا تھا اور چلتا ہوا بھی کہنے سے فوراً ٹھہر سکتا ہے یہاں قیام سے کون سی چیز مانع تھی مگر وہ تو لیڈر تھے پھر لیڈر کے پاؤں زمین پر کیسے رکھے جا سکتے ہیں وہ تو پرندے تھے جیسے ایک پرندہ ہے کہ وہ زمین پر بیٹھتا ہی نہیں اگر کبھی بیٹھتا بھی ہے تو درخت پر۔ پرندہ پر ایک بات فیشن کی اور یاد آ گئی کہ آجکل ایک خبط یہ بھی ہو گیا ہے کہ آدمی کے لقب بھی پرندوں کے نام پر رکھے جاتے ہیں۔ طوطی ہند۔ بلبل ہند اور اس کو فخر سمجھتے ہیں بھلا آدمی کا نام اگر جانور پر رکھ دیا گیا تو اس میں فخر کی کیا بات ہے غرض اتنی تو ناواقفی احکام ہے کہ تیمم تک کی بھی خبر نہیں اور پھر رہبر قوم کہلاتے ہیں افسوس ایسے لوگ مقتدا اور ہادی بنتے ہیں ان کی حالت کو دیکھ کر وہی شعر یاد آتا ہے کہ۔

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیواں کنند ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند (۲)

واقعی یہی حالت ہے جب یہ مصلحان قوم ہیں اور یہ رہنمائے اسلام ہیں تو بس کچھ نہ پوچھو کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

(۱) کھڑے ہو کر پڑھنے پر قادر ہونے کی صورت میں (۲) ''بلی امیر، کتا وزیر اور چوہے کو دیوان مقرر کریں جب ایسے ارکان سلطنت ہوں تو ملک کو ویران کریں گے۔

اذا کان الغراب دلیل قوم سیھدیھم طریق الھالکینا(۱)

اپنی اصلاح کی فکر

غرض آج کل ایسے ایسے لوگ تبلیغ اور اصلاح کو کھڑے ہوئے ہیں جن کی یہ حالت ہے تو بات کیا ہے کہ اس سے شہرت اور نمود ہوتی ہے کہ فلاں صاحب رات دن تبلیغ میں رہتے ہیں اور اپنی اصلاح کی اس لیے فکر نہیں کہ اس میں تکالیف بہت ہیں اس میں زبان پر بھی بار پڑتا ہے کیونکہ جی چاہتا ہے کسی کی غیبت کریں پھر وعید آئی ہے تو چھوڑنا پڑتا ہے کسی حسین عورت کو دیکھ لیا یا کسی امرد حسین پر نظر پڑ گئی جی چاہتا ہے اس سے نظر نہ پھیریں بار بار تقاضا ہوتا ہے کہ اسے دیکھتے ہی رہیں ادھر یہ آیت یاد آتی ہے: قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ (۲) الآیۃ ادھر نفس کا تقاضا ہے کہ دیکھتا رہے ادھر یہ وعید یاد آتی ہے تو قلب پر آرہ چلتا ہے ہر لحظہ نئی موت آتی ہے وہ حالت ہوتی ہے

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است (۳)

میں نے یہ تہکما پڑھا ہے ورنہ یہ حالت تو سچے عشاق کی ہے جن کی شان ان شہداء کی سی ہے جن کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ شہداء جنت میں اپنے اجر کو دیکھ کر تمنا کریں گے کہ پھر زندہ کئے جائیں پھر مارے جائیں پھر زندہ کئے جائیں۔ یہی حال عشاق و عارفین کا دنیا میں عمر بھر رہتا ہے کہ مرتے ہیں پھر جیتے ہیں پھر مرتے ہیں مگر وہ موت و حیات کونسی ہیں وہ موت موت نفس ہے۔ اور وہ حیات حیات روح ہے ایک بار نفس کو مارا روح کو حیات ہوئی پھر کچھ دنوں میں نفس زندہ ہوا تو پھر مجاہدات سے اس کو مارا ساری عمر اسی طرح گزرتی ہے جس میں پہلے پہلے البتہ چند روز زیادہ مجاہدہ ہوتا ہے پھر تو مشاہدہ کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ شیخ فرید فرماتے ہیں:

(۱) ''جب کوا کسی قوم کا لیڈر ہو تو وہ انہیں ہلاکت کے راستہ پر لے جائے گا'' (۲) ''آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں'' النور: ۳۰ (۳) ''تسلیم و رضا کے خنجر لگے ہوؤں کو ہر آن غیب سے نئی زندگی ملتی ہے''

جائے گریہ ست ایں جہاں درروے مخند چند روزے جہد کن باقی بخند (۱)

اورمولانا فرماتے ہیں:

اندریں راہ می تراش ومی خراش تادم آخر دمے فارغ مباش (۲)

مولانا اور شیخ فرید کے کلام میں تعارض کا شبہ نہ کرنا تیاری تو مجاہدہ کے لیے ساری عمر رکھو لیکن وہ ہوتا ہے چند ہی روز ذرا اول اول کچھ زیادہ ہوتا ہے پھر کم ہوتے ہوتے لطف ہی رہ جاتا ہے۔ حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمہ اللہ نے ایک سالک کو فرمایا تھا کہ میاں کیوں اپنے پیچھے جنم روگ لگایا ظرافت سے فرمایا تھا کہ یہ مجاہدات ساری عمر کرنا پڑتے ہیں ہاں اول اول قلب پر بہت بار ہوتا ہے پھر اتنی مشقت نہیں رہتی۔ مگر بالکل فارغ بھی نہیں ہوسکتے جیسے شائستہ گھوڑا ابھی کبھی شوخی کرتا ہے مگر ایڑی کے اشارہ سے ٹھیک ہوجاتا ہے شائستہ تو ہے لیکن کبھی کبھی شرارت بھی کرتا ہے مگر تھوڑی سی حرکت سے ٹھیک ہوجاتا ہے اسی طرح نفس ساری عمر شرارت کرتا ہے مگر اصلاح ہونے کے بعد تھوڑی سی توجہ سے درست ہوجاتا ہے۔ صاحبو! نفس سے کبھی بے فکر نہ ہونا چاہیے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

نفس اژدہاست اوکے مردہ است از غم بے آلتی افسردہ است (۳)

یعنی نفس اژدھا کے مثل ہے جو سردی میں ٹھٹھر گیا ہے سامان حرارت نہیں اس لیے مردہ کی مانند ہوگیا ہے سامان ہوتو پھر دیکھو پس ہر چند کہ فرق ضروری ہے ابتداء اور انتہا میں لیکن بالکل مطمئن کسی وقت نہیں ہوسکتے سو یہ مصیبتیں ہیں اپنی اصلاح میں اور دوسرے کی اصلاح کیا مشکل ہے صرف زبان چلانا پڑتی ہے جو بالکل ہی آسان ہے اس لیے لوگوں کو اپنی اصلاح کی فکر نہیں ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

واعظاں کیں جلوہ برمحراب ومنبر میکنند چوں بخلوت میرسند ایں کار دیگر میکنند
مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر میکنند (۴)

(۱)'' یہ دنیا رونے کا مقام ہے یہاں نہ ہنس چند روز محنت (مجاہدہ) کر اور باقی ہنس کر (مشاہدہ میں)
(۲)''اس راہ سلوک میں ادھیڑ بن میں لگے رہو یعنی خوب کوشش کرو۔ آخر وقت تک لگے رہو'' (۳)''نفس اژدھا ہے وہ کب مرا ہے یعنی ابھی نہیں مرا غم بے آلتی سے افسردہ ہورہا ہے'' (۴)''واعظین جب محراب ومنبر پر جلوہ افروز ہوکر جو نیک باتیں کرتے ہیں جب خلوت میں پہنچتے ہیں تو دوسرے کام کرتے ہیں مجھے یہ مشکل درپیش ہے کہ کوئی مجلس کے عقلمندوں سے دریافت کرے کہ دوسروں کو توبہ کی تلقین، خود کیوں توبہ کم کرتے ہیں۔

اصلاح کا طریقہ

صاحبو! پہلے اپنی اصلاح کرو گو وہ بڑی کٹھن ہے مگر میں اس کو آسان کیے دیتا ہوں۔ دیکھئے اگر کوئی اندھا دہلی جانا چاہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ لوگوں سے راستہ پوچھتا پھرے اور کوئی اس کو دہلی کا راستہ بتادے کہ فلاں راستہ پر جانا پھر فلاں مقام آوے گا اس سے داہنی طرف کو جانا مگر کوئی سوانکھا(۱) اس کے ساتھ نہیں ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ کہیں گڑھے میں گر کر مرجائے گا اور اگر جس سے راستہ پوچھا ہے وہ شفیق ہے تو وہ یہ کرے گا کہ کوئی سوانکھا جارہا ہے اس کے ساتھ اندھے کو کردے گا اب وہ بے کھٹکے پہنچ جائے گا تو دیکھئے اندھے کو خود تو پہنچنا بہت مشکل تھا مگر چونکہ سوانکھا ساتھ ہے اس لیے اب وصول آسان ہوگیا۔ اسی طرح اصلاح باطنی کی حالت ہے بطور خود اصلاح بہت مشکل ہے مگر کسی واصل (۲) کا ہاتھ پکڑ لیا جاوے تو اب آسان ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو(۳)

اور فرماتے ہیں:

یار باید را تنہا مرد بے قلاؤز اندریں صحرا مرو
ہر کہ تنہا نادر ایں راہ را برید ہم بعون ہمت مردان رسید(۴)
بے رفیقے ہر کہ شد دارہ عشق گر ہوائے ایں سفر داری دلا
دارا رادت باش صادق اے فرید عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق
دامن رہبر بگیرد پس در آ تابیابی گنج عرفاں را کلید(۵)

گو فی نفسہ یہ طریق آسان ہے کچھ اس پر موقوف نہیں کہ کسی کا ہاتھ پکڑو اگر

(۱) آنکھوں والا (۲) اللہ والے (۳) ''قال کو چھوڑو حال پیدا رو اس کے لیے کسی شیخ کامل کے سامنے پامال ہوجاؤ'' (۴) ''راہ سلوک میں مددگار ہونا چاہیے اس میں تنہا قدم مت رکھو بلا (مرشد) کے اس عشق کی وادی میں مت چلو۔ اتفاقاً اس سلوک کو جس شخص نے اکیلے خود طے کیا ہے وہ مردان خدا (اللہ والوں) کی توجہ سے طے کیا ہے'' (۵) ''بلا عمر کے جس نے طریق عشق میں قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور عشق سے آگاہ نہ ہوا۔ اے دل اگر محبت کے سفر کو طے کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو کسی رہبر کامل کا دامن مضبوط پکڑے چلا آ۔ اے فرید حسن عقیدت اور ارادت کا دامن کبھی نہ چھوڑنا تاکہ تجھ کو گنج معرفت کی کنجی حاصل ہوجائے''۔

اپنے پاس عقل سلیم ہوتو خود ہی طے کر سکتے ہو مگر چونکہ ایسی عقل سلیم قریب قریب مفقود ہے اس لیے اگر تنہا بھی ہمت کروگے تب بھی چار منزل چل کر کہو گے۔ یا رجلاً خذ بیدی(۱) اس وقت یہ شخص بالکل اندھا معلوم ہوگا بعض لوگوں نے گوشہ عزلت اختیار کرلیا ہے میں ان پر کوئی طعن نہیں کرتا کیوں کہ وہ تارک الدنیا ہیں مگر میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ ساتھ میں تارک الدین بھی ہیں، کیونکہ امر بالمعروف بھی تو دین ہی ہے۔

امر بالمعروف کرنے کی شرط

البتہ اگر شیخ کسی مصلحت سے اس سے چند روز کے لیے منع کردے تو پھر نہ کرنا چاہیے مگر وہ ترک نہیں کراتا بلکہ ملتوی کراتا ہے جیسے طبیب کسی کو مسہل (۲) دیتا ہے تو بھنی ہوئی بوٹیاں کھانے سے منع کرتا ہے تو یہ نہیں کہ ساری عمر کے لیے چھڑا دیتا ہے بلکہ غذا تو یہی ہے مگر اس وقت اس کا معدہ اس قابل نہیں کہ اس کو ہضم کر سکے۔ اسی طرح شیخ دیکھتا ہے کہ اگر یہ اب ہی سے امر بالمعروف کرنے لگا تو اس کے اندر عجب پیدا ہوجائے گا اس لیے روکتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

منصب تعلیم نوعے شہوتیست ہر خیال شہوتی در رہ بتے ست (۳)

چنانچہ خود میں نے ایک شخص کو جس نے اپنی تقدیس اور دوسرے کی تحقیر کے طور پر ڈانٹا تھا اور یہ سزا مقرر کی تھی کہ نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کیا کرو ان کو لوٹے بھر کر وضو کے لیے دیا کرو کیونکہ جب اس نے نصیحت کی تھی اپنے کو اس شخص سے اچھا سمجھا تھا اور یہ کبر ہے اور اس کا علاج بھی ذلت ہے بس امر بالمعروف کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عین نصیحت کے وقت بھی یہ نہ سمجھے کہ میں اس شخص سے اچھا ہوں شاید اس پر کوئی کہے کہ صاحب ہم تو نماز پڑھتے ہیں اور دوسرا بے نمازی ہے اس سے تو اپنے کو اچھا ہی سمجھیں گے مسلمان اپنے کو کافر سے تو اچھا ہی جانتا ہے اس کے جواب کے دو درجے ہیں ایک ذوقی دوسرا عقلی۔ ذوقی کو تم کیا سمجھو گے۔ جواب عقلی بتلاتا ہوں وہ یہ کہ العبرۃ للخواتیم تو افضل وہ ہے جس کا خاتمہ اچھا ہو۔ اب کس کو پتہ ہے کہ بے نمازی کا خاتمہ

(۱) اے بندہ خدا میرا ہاتھ تھام لے (۲) دست لانے والی دوا (۳) ''منصب تعلیم ایک قسم کی شہوت ہے اس راہ میں شہوت کا ہر خیال بت ہے''۔

اچھا ہوگا یا ہمارا۔ اس وقت تو ہماری یہ حالت ہے۔

گہ رشک برد فرشتہ برپا کی ما گہ خندہ زند دیوز ناپاکی ما
ایمان چو سلامت بلب گوربرم احسنت بریں چستی وچالاکی ما(۱)

بس بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ آدمی ایمان کے ساتھ مرجاوے جو معلوم نہیں۔ اسی طرح کافر کی حالت معلوم نہیں کہ اس کا خاتمہ اچھا نہ ہوگا ممکن ہے کہ مرتے دم وہ مسلمان ہوجاوے اور اس کا خاتمہ اچھا ہوجاوے۔ پھر یہ دعویٰ کیسے کرسکتے ہو کہ تم اس سے اچھے ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ کافر را بخواری منگرید کہ مسلمان بودنش باشد امید(۲)

کسی کی تحقیر نہ کرو

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے قصہ نقل کیا تھا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک بنیے کو خواب میں دیکھا جو ان کے پڑوس میں رہتا تھا اس کے مرنے کے بعد دیکھا کہ وہ جنت کے باغ میں سیر کررہا ہے پوچھا لالہ جی تم یہاں کیسے ہوکہا مرتے وقت کلمہ پڑھ لیا تھا اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی۔ یہاں لالہ جی تھے وہاں گل لالہ ہوگئے کیا معلوم کس کا خاتمہ کیسا ہو۔ ایک عابد نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور ان کے ساتھ ہولیا اور ایک گنہگار فاجر فاسق اپنے دروازہ پر کھڑا رہا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر بہت جی چاہتا تھا کہ ان سے ملے مگر اپنی بدکاری پر نظر کرتے ہوئے ہمت نہ ہوتی تھی کہ آپ کے پاس آوے اپنے کو بہت ہی روکا آخر رہا نہ گیا اور ساتھ ہولیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اخلاق سے پیش آئے اور اس جاہل عابد کمبخت متکبر نے اس کو بہت لتاڑا کہ تو ہمارے ساتھ کیسے ہوگیا اور دعا کی کہ اے اللہ مجھ کو آخرت میں بھی اس کو ساتھ جمع نہ کیجیو اور اس گنہگار نے اپنی مغفرت کی دعا کی فوراً وحی آئی کہ دونوں کی دعا مقبول ہوئی اس نے اللھم اغفرلی (اے اللہ مجھے بخش دے) کہا تھا اس کو ہم نے جنتی بنادیا اور اس

(۱) ''کبھی فرشتہ ہماری پاکدامنی پر رشک کرتا ہے کبھی شیطان ہماری پلیدی وناپاکی پر ہنستا ہے اگر ہم اپنا ایمان قبر تک صحیح سلامت لے جائیں اس وقت ہماری چستی وچالاکی پر آفرین سمجھنا'' (۲) ''کسی کافر کو حقیر مت جانو جبکہ اس کے مسلمان ہونے کی امید ہے''۔

نے یہ دعا کی تھی کہ میرا اس کا آخرت میں ساتھ نہ ہو ہم نے اس کی بھی دعا قبول کی کہ دوزخ میں جائے گا تا کہ اس کا ساتھ نہ ہو اسی لیے ایک عارف فرماتے ہیں:

غافل مرو کہ مرکب میدان مردرا درس سنگ لاخ بادیہ پے ہابریدہ اند
نومیدہم مباش کہ رندان بادہ نوش ناگہہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند(۱)

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ مومن مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے کو کافر فرنگ سے بھی بدتر نہ سمجھے۔

غرض اس کا عقلی جواب یہی ہے کہ العبرۃ للخواتیم اور خاتمہ معلوم نہیں کیا ہوگا۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے میں نے کہا لعنت کی ایسے شخص کو اجازت ہے جس کو یہ یقین ہو کہ میں اس سے اچھا ہو کر مروں گا ورنہ وہ چڑاویگا کہ کہیے یہی منہ تھا لعنت کرنے کا۔ خدا قہر سے بچاوے کیا خبر اب تو اپنے کو بایزید سمجھتے ہو اور وہاں کہیں با حذف ہو کر یزید ہی نہ رہ جاؤ۔ اس لیے شیوخ جب تک کسی کے اندر عجب و پندار دیکھتے ہیں اس تک امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے منع کردیتے ہیں پھر جب اہل ہوجاتا ہے اجازت دیتے ہیں سو اصل فرض تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی ہے مگر عوارض کی وجہ سے روک دیتے ہیں جیسے مریض کو گوشت بوٹی سے روکا جاتا ہے۔

مریدین پر عتاب کے وقت مشائخ کا حال

ایک اور مثال دیتا ہوں اس سے وہ ذوقی جواب سمجھنے کی کسی قدر قابلیت ہوجائے گی گو تفصیل سے نہ سمجھ سکو۔ مثلاً کسی شہزادہ نے کوئی جرم کیا ہو اور بادشاہ کی طرف سے کسی بھنگی کو حکم ہوا ہو کہ شہزادہ کے ایک درجن بید لگاؤ اور بادشاہ بھی عادل ہے ظالم نہیں اور یہ بے چارہ بھنگی ہے اور وہ شہزادہ ہے اب وہ ٹکٹکی باندھ کر بید لگاتا ہے کیا کرے شاہی حکم ہے گویا بید مارتے ہوئے اس کی روح نکلتی ہو۔ اب دیکھنا چاہیے کہ ضارب تو بھنگی ہے(۲) اور مضروب شہزادہ ہے(۳) مگر باوجود اس کے کیا یہ بھنگی بید لگانے کے وقت یہ سمجھے گا کہ میں اس سے افضل ہوں؟ نہیں ہرگز نہیں! اس کا تصور بھی اس کے ذہن میں نہ آوے گا مگر مجبوراً مارنا

(۱) ''غافل ہو کر نہ چل اس لیے مردان راہ کے گھوڑے سخت جنگل میں چلنے سے عاجز رہے ہیں ناامید بھی مت ہو اس لیے کہ رند شرابی اچانک ایک نالہ سے منزل پر پہنچ گئے'' (۲) مارنے والا بھنگی ہے (۳) پٹنے والا شہزادہ۔

پڑتا ہے اگر نہ مارے تو مجرم بنے کیا کرے ہاتھ اٹھتا نہیں روح فنا ہوتی ہے حالت یہ ہے کہ بید تو مارتا ہے اس کی کمر پر مگر اپنے قلب پر بھی آرا[1] چل رہا ہے ذرا ہاتھ ڈھیلا ہوا اور بادشاہ نے کہا زور سے مار اب بیچارہ شرم کے مارے مرا جارہا ہے مگر کرے کیا۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں خاک برفرق قناعت بعد ازیں[2]

جب یہ مثال سمجھ میں آ گئی تو اب سمجھو اگر کسی وقت مصلح کو حکم شرعی یہ ہو کہ بے نمازی کو دھمکاوے اور مارے تو جیسے بھنگی عین ضرب کے وقت اپنی حقیقت کو دیکھ رہا ہے اسی طرح جو عارف ہوگا وہ عین عتاب کے وقت یہ سمجھے گا کہ ممکن ہے اس کا درجہ مجھ سے بڑھا ہوا ہو اور میں اس سے کم درجہ ہوں مگر حکم سے مجبور ہوں جب آپ کو یہ درجہ حاصل ہوجائے اس وقت قابلیت ہوگی امر بالمعروف کی اس سے ثابت ہوا کہ شیوخ کا امر بالمعروف سے کسی مرید کو منع کرنا برا نہیں ہے۔

فکر اصلاح

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جیسے دوسرے کی اصلاح کے درپے ہوتے ہو اول اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے اور ترتیب کی فرصت نہ ہو تو یہ دونوں کام دوش بدوش ہوں[3] مگر اس جمع کا طریقہ کسی بزرگ سے پوچھ لو چاہے اس کے مرید مت ہو میں مرید ہونے کو نہیں کہتا بلکہ ان سے مشورہ لینے کو کہتا ہوں کیونکہ اس کی اونچ نیچ نشیب و فراز کو وہ خوب سمجھ سکتے ہیں جہاں ان کا ذہن پہنچتا ہے وہاں تک تمہاری عقل کی رسائی نہیں ہوگی پس جیسے کسی طبیب سے نسخہ لکھوا لیتے ہو اسی طرح کسی شیخ سے پوچھ کر کام کرو۔ مرید تو نہ ہو مگر اس کے اتباع کو ویسا ہی لازم سمجھو جیسے پیر کے حکم کو لازم سمجھتے ہو۔ غرض اصل ترتیب یہی ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرو پھر دوسرے کی، پھر دوسروں کی اصلاح میں بھی پہلے اپنے گھر کی اصلاح کرو پھر نوکر چاکر کی پھر اپنے ہم وطنوں کی پھر ان میں جو کافر ہوں ان کو اسلام کی ترغیب دو ان کو اسلام کے محاسن سے مطلع کرو مگر طعن و تشنیع مت کرو دیکھو اگر تمہیں کسی کو حسین معشوق پر عاشق بنانا ہے اور دوسرے بدشکل آدمی سے اس کو پھرانا ہے

(۱) لکڑی چیرنے کا اوزار (۲) ''جب دین کا بادشاہ مجھ سے طمع کا اظہار کرے تو پھر ایسی قناعت پر خاک'' (۳) ساتھ ساتھ۔

جو اس کے دل میں رچا ہوا ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں جاں گزیں ہے تو اول تو وہ تم سے جھگڑے گا اور اپنے معشوق کو اچھا کہے گا اس سے رنجیدہ نہ ہو اور کچھ معارضہ نہ کرو بلکہ اس کو اپنے معشوق کی ادائیں دکھلاؤ جب وہ اس کی ادائیں دیکھ لے گا تو فوراً کہے گا۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مینگرم کرشمۂ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست (۱)

وہ خود ہی کہے گا کہ ارے میں نے کہاں اپنی عمر برباد کی۔ ایسے دلکش دلربا معشوق کو چھوڑ کر کس چڑیل کے پیچھے میں نے اپنی جان کھپائی۔ صاحبو! اسلام کی خوبیاں صاف صاف ہیں پھر باوجود سادگی کے دلکش ہیں۔ متنبی شاعر کہتا ہے۔

حسن الحضارة محبوب بتطرية وفی البداوة حسن غير مجلوب

یعنی شہری معشوق کا حسن بناوٹی ہوتا ہے اور دیہاتی میں اصلی حسن ہوتا ہے۔ اسی کے متعلق عارف شیرازی فرماتے ہیں:

دل فریباں نباتی ہمہ زیور ستبند دلبر ماست کہ باحسن خداداد آمد (۲)

تبلیغ میں بے فکری

اور اسلام کا حسن خداداد اور دل کشی بھی ایک بناء ہے (۳) تبلیغ سے اہل حق کی ایک درجہ میں بے فکری کی اور یہ ایک راز ہے جی تو چاہتا نہیں کہ اس کو بیان کروں کہیں لوگ اس سے امر بالمعروف میں زیادہ سستی نہ کرنے لگیں مگر جب میں نے سستی کی مذمت بیان کر دی پھر اس راز کو کیوں چھپاؤں جب کہ اس سے اسلام کی خوبی نکلتی ہے وہ راز یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل باطل اپنے مذہب کے پھیلانے میں بڑی بڑی تدبیر کرتے ہیں مال سے، جان سے، جاہ سے ہر طرح اس میں کھپے رہتے ہیں اور اہل حق اکثر ایسے بے فکر ہیں کہ اشاعت اسلام کو اپنا کام بھی نہیں سمجھتے بلکہ اللہ میاں کا کام سمجھتے ہیں کہ حضور آپ کی جائیداد ہے ہمیں تو نفع سے مطلب ہے کہ ہم کو کھانے کو مل جائے تو بس کافی ہے باقی جائیداد کا انتظام خود آپ کر لیں چنانچہ آپ نے وَإِنَّا لَهُ لَحَٰفِظُونَ (۴) فرمایا بھی ہے۔

(۱) ''سر سے قدم تک جس جگہ دیکھتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ محبوب ہے'' (۲) ''خود رو پودے زیور سے آراستہ ہیں ہمارے محبوب میں خداداد حسن ہے'' (۳) وجہ (۴) ''ہم ہی اس کے محافظ ہیں'' سورۃ الحجر: ۹۔

سو اصل تو اس کی یہ ہے کہ اہل باطل اپنے بطلان کو جانتے ہیں اور اس لیے سمجھتے ہیں کہ امداد غیبی تو ہوگی نہیں ہم بھی اگر کوشش نہ کریں گے تو مذہب ہی مٹ جاوے گا اور اہل حق اسلام کو حق سمجھ کر تائید حق کا یقین رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ بدون ہماری کوشش کے بھی اس کی ترقی ہوگی سو اس اصل کے اعتقاد میں تو کوئی ملامت نہیں مگر اس میں غلو کرلیا کہ جتنی کوشش کا حکم ہے اس میں بھی کوتاہی کرتے ہیں اور حیرت کی بات ہے کہ قرآن مجید کے حفظ کرنے کو تو جو کہ ایک فرد ہے حفاظت قرآن کی اس طرح خدا کے حوالے نہ کیا بلکہ تین تین چار چار برس سر مار کے یاد کرتے ہیں۔ پھر ہمیشہ دور کرتے رہتے ہیں اور اسلام کی حفاظت کو اس طرح خدا کے حوالے کیا کہ ذرا سعی (۱) نہیں کرتے۔ اگر قرآن مجید کے متعلق کوئی ان سے سوال کرے کہ میاں قرآن کا بھی تو خدا حافظ ہے پھر تم یاد کیوں کرتے ہو؟ تو وہاں جواب دیتے ہیں کہ یہ بھی تو خدائی محافظت ہے کہ ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم یاد کریں اور اس ذریعہ سے اس کو قائم رکھیں۔ سو ایسا ہی اسلام کے متعلق معاملہ ہونا چاہیے کہ یہ بھی خدائی حفاظت ہے کہ ہم کو حکم دے دیا کہ اسلام کی خدمت کریں اور اسلام کو قائم رکھیں غرض یہاں ایسی بھاری غلطی کی کہ حفاظت واشاعت اسلام سے بالکل بے فکر ہوگئے۔ اور قریب قریب جتنے اہل حق ہیں سب ہی بے فکر ہیں اور گو اس بے فکری کا راز اصل میں یہی ہے کہ اسلام کا حسن ہی ایسا ہے کہ جو کوئی اس کو نظر انصاف سے دیکھے گا وہ اس کی طرف خود ہی مائل ہوجاوے گا کسی کے بلانے کی ضرورت نہیں۔ بقول حافظ شیرازیؒ کے۔

زعشق نا تمام ما جمال یار مستغنی ست
باب ورنگ وخال وخط چہ حاجتو نے زیبارا(۲)

سو اس کو تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ آب ورنگ خال وخط اسلام میں خود ہی بہت کچھ ہے اور ضرور ہے۔ مگر اتنا تو کرنا تمہارا کام ہے کہ کسی آنکھ بند کرنے والے کی آنکھ کھولدو۔ اسے ایک دفعہ اس کا چہرہ دکھادو پھر یہ اپنا کام خود ہی کرلے گا گو جن لوگوں نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا ان پر بھی اس کا قبول کرنا اس لیے فرض ہوگیا ہے کہ وہ دیکھ سکتے ہیں اور یہ نہ

(۱) کوشش (۲) ''جمال محبوب ہمارے عشق نا تمام سے مستغنی ہے جس طرح زیبا صورت کو رنگ وروپ، خط وخال کی حاجت نہیں''۔

دیکھیں تو ایسوں نے دیکھ لیا ہے جن کا دیکھنا ان پر حجت ہے لیکن اگر ان کو بھی دکھلا دو تو ان کا یہ جہل رفع ہوجاوے گا کہ ہم نے تو دیکھا ہی نہیں اس لیے ہم مکلّف نہیں۔

جیسے کوئی ڈوم تھا اس نے سنا تھا کہ چاند دیکھنے سے روزہ فرض ہوجاتا ہے اس نے رمضان کا مہینہ آتے ہی گھر میں ایک پاخانہ کا برتن رکھ لیا وہاں ہی ہگتا موتتا تھا کہ مبادا گھر سے نکلے تو کہیں چاند نظر نہ آجاوے پھر روزہ فرض ہوجاوے گا دو چار دن تو عورت نے خدمت کی پھر ہاتھ پکڑ کر کہا نکل یہ کہاں کی پخ لگائی اچھا خاصا تندرست آدمی اور میں اس کا گوہ موت صاف کروں جانکل! اب جنگل جانا تجویز کیا کہ کبھی شہر میں کوئی دل لگی میں منہ اوپر کو اٹھادے اور چاند نظر پڑ جائے اب جو وہ جنگل میں پاخانہ کرکے تالاب پر آبدست (۱) کرنے گیا تو پانی میں چاند نظر آ گیا اب چاند سے کہتا ہے گھس جا آنکھوں میں کردے روجا فرج ہم تو دیکھتے نہیں تو آنکھوں میں گھسا آتا ہے۔ سنگ آمد سخت کا مضمون ہے غرض چاند کو تو اس کی ضرورت نہیں کہ اس کے نور کو کوئی دکھلا دے مگر جو شخص جہل سے آنکھ نیچے کئے ہوئے ہے، جہل رفع کرنے کے لیے ذرا اس کی آنکھ تو اوپر کو کرو۔ بس یہ حاصل ہے امر بالمعروف کی حقیقت کا۔ کہ جو کوئی اسلام کا حسن دیکھنا چاہے یا آنکھیں نیچی ہونے کی وجہ سے نہ دیکھے اس کو دکھلا دینا چاہیے۔

لوگوں کی غلط فہمی

اب میں اسلام کی کچھ خوبیاں بطور نمونہ کے بیان کرتا ہوں، لوگوں نے آج کل ایک بڑی غلطی کی ہے اسی غلطی پر تنبیہ کرنے سے اسلام کا حسن نمایاں ہوجاوے گا وہ غلطی یہ کی ہے کہ جیسے آج کل سب چیزوں کا ست نکالا جاتا ہے اسی طرح لوگوں نے اسلام کا بھی ست نکالا ہے حکم تو یہ ہے اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور لوگوں نے اس کا خلاصہ نکالا تو اب اسلام صرف نماز روزہ حج زکوٰۃ کا نام رہ گیا اور باقی احکام معاملات وعقائد ومعاشرت واخلاق کو کالخارج کردیا گویا وہ اسلام میں داخل ہی نہیں چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نماز تو پڑھ لیتے ہیں مگر عقائد کی فکر نہیں کہ موافق شرع کے ہیں یا نہیں۔ بعضوں کے ایسے عقائد ہیں کہ کفر تک نوبت پہنچتی ہے اس کی

(۱) استنجا کرنا۔

کسی کو فکر نہیں اسی طرح معاملات کا حال ہے بلکہ اس کو تو عقائد سے بھی زیادہ دین سے بے تعلق سمجھتے ہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ جب کسی رہن بیع وغیرہ کا مسودہ لکھواتے ہیں تو وکیل کو تو دکھلاتے ہیں کہ یہ قانون کے موافق ہے یا مخالف مگر کبھی کسی کو یہ بھی کرتے دیکھا ہے کہ اس نے کسی عالم سے پوچھا ہو کہ یہ مسودہ شرع کے موافق ہے یا نہیں اگر یہ کہو کہ صاحب اگر کسی عالم کو دکھلائیں تو جیسے وہ بتلادیں گے وہ یقیناً قانون کے موافق نہ ہوگا پھر یہ مسودہ کس کام کا رہے گا تو یہ عذر محض غلط کہے جب تم نے تو کسی عالم کو دکھلایا ہی نہیں تمہیں کیا خبر کہ وہ شریعت اور قانون کو جمع کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کبھی ایسی مشکل پڑے تو کسی محقق عالم سے پوچھو جب شریعت اور قانون میں مخالفت ہوگی، وہ تفصیل وار حکم بتلادے گا جو اکثر صورتوں میں قانون کے بھی موافق ہوگا بشرطیکہ وہ فعل کھلم کھلا خلاف شریعت نہ ہو۔ یہ نہیں کہ زنا چوری کو بھی شریعت جائز کردے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جائز معاملات کی صورت علماء اکثر ایسی بتلادیں گے کہ قانون کے بھی خلاف نہ ہوگی بہرحال پوچھنے ہی سے تو اس کا پتہ لگے گا لیکن معاملات کو تو دین میں داخل سمجھتے ہی نہیں آج کل لوگوں کے زعم میں بیع باطل یا فاسد کرنے سے تو دین نہیں جاتا البتہ نماز روزہ نہ کرنے سے جاتا رہتا ہے۔

اسی طرح یہ سمجھ لیا ہے کہ معاملات ومعاشرت کا دین سے کچھ علاقہ ہی نہیں کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ بلاٹکٹ کے ریل کے سفر کرنا گناہ ہے خیر ایسے لوگ تو کچھ کم بھی ہیں مگر پندرہ سیر کے بجائے بیس سیر لے جانے والے تو بہت ہی کثرت سے ہیں۔ اس کی پرواہ ہی نہیں۔

اجزائے اسلام

غرض لوگوں نے شریعت کا خلاصہ نکالا حالانکہ وہ اور سخت حماقت ہے اسلام کامل مکمل اور بہت مفصل مکمل قانون ہے جس کا خلاصہ ہو ہی نہیں سکتا اب اس کے مفصل مکمل ہونے کو ثابت کرنے کے لیے بتلاتا ہوں کہ اس کے کتنے اجزاء ہیں سو سمجھ لو کہ اس کے یہ اجزاء ہیں ایک عقائد دوسرے دیانات جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ تیسرے معاملات جیسے ہبہ بیع وغیرہ چوتھے معاشرت یعنی آپس میں ایک دوسرے سے کس طرح ملنا جلنا چاہیے کیا برتاؤ رکھنا چاہیے۔ سب کے حقوق ادا کرنا۔ بیٹے کے خاص حقوق ہیں رعیت کے خاص حقوق ہیں حاکم

کے خاص حقوق ہیں پڑوس کے خاص حقوق ہیں۔ پانچویں اخلاق باطنی جیسے صبر۔ شکر، زہد، توکل، محبت حق، تفویض، تسلیم، رضا، مراقبہ موت، مراقبہ حساب، یہ اعمال باطنی ہیں جن کو اخلاق کہتے ہیں۔ تو شریعت کے پانچ اجزاء ہوئے اب ان پانچ چیزوں میں سے ایک ایک کو دیکھ لو ان کے اندر کیسی کیسی خوبیاں ہیں ایک مشترک خوبی تو یہی ہے کہ اس سے نجات آخرت حاصل ہوتی ہے مگر اس کے علاوہ ہر ایک میں خاص خاص خوبیاں بھی ہیں جن کا دنیوی مصالح پر بھی اثر پڑتا ہے اب ان خوبیوں کو سمجھو۔

فوائد توحید

چنانچہ پہلا جزو اسلام کا عقائد ہے اس کی خوبی کو دیکھو کہ اسلام کا بہت بڑا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کو واحد[1] مانو موجود مانو۔ یعنی تمام کمالات علم وقدرت وغیرہ میں وہ یکتا ہے اس کا علم ایسا ہے کہ اس سے کوئی چیز خارج نہیں۔ قدرت ایسی ہے کہ کوئی ممکن چیز اس کی قدرت سے خارج نہیں۔ یہ عقیدہ قطع نظر اس سے کہ دلائل سے اس کا ہونا ثابت ہے، اس کے ثمرات دنیوی کو دیکھئے جو شخص اپنے سر پر ایسے مالک کو مانے گا جو ہر طرح سے کامل ہے اس کا اثر خاص یہ ہوگا کہ اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی ہیبت وعظمت ہوگی اور ان سے محبت ہوگی کیونکہ بادشاہ جتنا کامل ہوگا اتنی ہی محبت وہیبت زیادہ ہوتی ہے پھر حق تعالیٰ ایسے جمیل ہیں کہ کوئی ان کے جمال کے قریب قریب بھی نہیں۔ جب کسی کے قلب میں خدا تعالیٰ کی ہیبت ومحبت ہوگی تو کسی شخص کو اس سے ایذاء نہ پہنچے گی وہ کسی کا حق تلف نہ کرے گا کیونکہ ڈرے گا کہ خدا ناراض ہوگا۔ ادھر تو محبت کا تقاضا محبوب کو راضی رکھنا ہے پھر ہیبت کے سبب اس کی مخالفت کرتے ہوئے جان نکلے گی۔ قطع نظر دوزخ جنت کے خوف وطمع کے اگر حق تعالیٰ کی یہ محبت وہیبت[2] پیدا ہوجائے تو ایسا شخص ہرگز مخالفت نہیں کرسکتا چنانچہ حدیث میں ایک صحابی کی بابت آپ فرماتے ہیں کہ اگر ان کو خدا کا خوف بھی نہ ہو تو بھی نافرمانی نہ کرے گا وہ کیا چیز ہے جو نافرمانی نہ کرنے دے گی؟ وہ محبت ہی تو ہے۔ دیکھئے فوائد اس عقیدے کے بھلا جو شخص خدا کے ساتھ یہ عقیدہ رکھے گا کیا وہ کبھی اس کی نافرمانی کرے گا ہرگز نہیں

(۱) ایک مانو (۲) خوف۔

برخلاف اس کے جو کوئی حاکم دنیا ہی سے خائف ہو وہ جرائم سے اتنا پرہیز نہ کرے گا۔ کیونکہ دنیا کا حاکم ہر وقت سامنے نہیں اگر پیٹھ پیچھے کچھ کرلیا تو اس کو خبر بھی نہ ہوگی مثلاً کسی کے پاس کوئی خط آیا اس وقت اس کے سامنے کوئی پولیس کا آدمی بھی نہیں ہے اور لفافہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ٹکٹ پر مہر نہیں پڑی بالکل سادہ صاف ہے تو اب دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جن کو خدا کا خوف یا اس سے محبت ہے اور ایک وہ جس کو خوف خدا نہیں ایسے شخص کو اس وقت کوئی قوت روکنے والی نہیں ہے کہ وہ پھر اس سے کام نہ لے اور یہ جرم ہے جس میں ڈاکخانہ کا نقصان ہے گو کم ہی ہو مگر خبر یہی ہے کہ ایک پائی کی خیانت بھی خیانت ہی ہے بخلاف اس شخص کے جس کو خوف خدا ہے وہ اس پر ہرگز جرات نہیں کرسکتا کہ اس ٹکٹ سے پھر کام لے گو کسی کو اس کی خبر نہ ہو کوئی اس کو دیکھ نہ رہا ہو مگر مالک حقیقی کو تو خبر ہے اس لیے وہ خط پڑھنے سے پہلے اس ٹکٹ کو چاک کردیگا۔ دیکھئے یہ دنیا کا نفع پہنچا حکومت کو یا نہیں؟ اور یہ محض اس لیے کہ اس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ رحم میں کامل ہیں انتقام میں بھی کامل ہیں۔

اور دیکھو فرض کرو کہ تم ریل میں جارہے ہو ایک بچہ ملا۔ یتیم جس کے ساتھ کوئی نہیں اور ایک ہزار کا نوٹ اس کے پاس ہے اس نے کہا ہم کو فلاں جگہ پہنچادو۔ راستہ میں اتفاق سے وہ مرگیا اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کے پاس اتنے روپے ہیں نہ ریل والے جانتے ہیں اور نہ کسی مسافر کو خبر ہے اور نہ ہم کو اس کی جان پہچان ہے صرف اتنا جانتے ہیں کہ فلاں جگہ جانے والا ہے غسل دینے کے وقت جو پہلا کپڑا اس کے بدن سے نکالا تو جیب سے ہزار کا نوٹ نکلا اب کسی کو خبر بھی نہیں اور تم حاجت مند بھی ہو کہ دس ہزار کے قرض دار بھی ہو جس میں جائیداد نیلام ہونے والی ہے آبرو پر بن رہی ہے۔ فرمایئے کوئی قوت ہے اس وقت اس نوٹ کے لینے سے روکنے والی۔ اب خیال کیجئے کہ ایک تو دہری ہے جو خدا کا قائل نہیں اور اس کو ایسا موقع پیش آوے وہ تو یقیناً سب روپیہ دبالے گا اور ایک وہ ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہے وہ اس یتیم بچہ کے بتلائے ہوئے موقع پر جاوے گا اور اس کے ورثہ کو تلاش کر کے یہ روپیہ سب کو حصہ رسد بانٹ دے گا اگر وہاں کوئی نہ ملے تو اس میں لقطہ (۱) کے احکام

(۱) لقطہ گری پڑی چیز کو کہتے ہیں شریعت میں اس کے بھی تفصیلی احکام ہیں مالک کو ڈھونڈ کر پہنچاؤ اگر بعد تلاش بسیار بھی نہ ملے تو اس کی طرف سے صدقہ کردو اگر پھر آجائے تو اس کو واپس کرو تمہیں صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔

جاری کرے گا۔ دیکھئے یہ کیسا پاکیزہ عقیدہ ہے جس نے ایک عالم کو خطرہ سے بچا لیا یہ اسی عقیدہ کی بدولت ہوا کہ خداوند کریم کامل ہے علم وقدرت میں۔

برکات تقدیر

اور اسلام کا ایک عقیدہ اور ہے کہ خداوند کریم نے جس چیز کو جس طرح مقدر کیا اسی طرح ہوگا اس کی برکت اور نافع ہونے کو خیال فرمایئے اس کا بیان یہ ہے کہ بڑا دنیوی نفع انسان کا جو اصلی مقصود ہے راحت ہے کماتا ہے اسی لیے کہ راحت ہو اولاد کی تمنا کرتا ہے اسی لیے تا کہ راحت ہو دولت جائیداد سے بھی مطلوب راحت ہی ہے۔ مکان بناتا ہے راحت ہی کے لیے غرض مطلوب ہر چیز میں راحت ہی ہے اب اس تمہید کے بعد میں کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں کوئی ناقابل تدارک مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اب دیکھنا چاہیے کہ اس کی راحت کا کوئی سامان کسی کے پاس ہے نہیں ہرگز نہیں مگر میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اسلام کے پاس اس کی بھی راحت کا سامان موجود ہے اور وہی عقیدہ تقدیر ہے بخدا اس عقیدہ کے بدون اس کو راحت ہرگز میسر نہیں ہوسکتی اور یہ عقیدہ اسلام کے سوا کسی کے پاس نہیں کہ ہر چیز مقدر کے موافق ہوتی ہے کسی کا جوان لائق بیٹا مرجاوے اور اس کا یہ اعتقاد نہ ہو تو عمر بھر مصیبت میں مبتلا رہے گا کہ ہائے اس کا علاج اچھی طرح کرتا تو نہ مرتا ہائے اس کا پرہیز اچھی طرح نہ ہوا اگر فلاں ڈاکٹر کے پاس لے جاتا تو اچھا ہو جاتا یہ تو منکر عقیدہ تقدیر کی حالت ہوگی اور ایک وہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز تقدیر کے موافق ہوتی اور اس میں حکمت ہوتی ہے اگر اس کا کوئی ایسا ہی عزیز مرجاوے تو گو اس کو رنج طبعی تو ہوگا اور وسوسہ کے طور پر اگر اس کو یہ خیال بھی ہو کہ دوا میں غلطی ہوگئی تو تھوڑی ہی دیر کے بعد معاً پھر وہ اسی سے تسلی حاصل کریگا کہ یہ بات بھی تقدیر ہی میں تھی کہ دوا میں غلطی ہو جائے اول تو اسے ضرور حزن تھا(۱)۔ مگر تفویض کے ساتھ تھا پر بعد چندے وہ بھی زائل ہو گیا بخلاف دہری شخص کے وہ تو تمام عمر ہی غم والم (۲) میں گھٹتا رہے گا تو دیکھئے مسئلہ تقدیر کا دنیوی بھی کتنا بڑا نفع عظیم ہے اور حق تعالیٰ نے بھی اس حکمت کو بیان فرماتے ہیں: مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي ٱلْأَرْضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَآ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٌ

(۱) غم (۲) درد۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ [1] یہ لام کی ایک مقدر کے متعلق ہے جس پر پہلا جملہ دال ہے یعنی اخبر کم بھذالکیلا تاسوا یعنی ہم نے مسئلہ تقدیر کو اس لیے بیان کیا تاکہ تم کو رنج نہ ہو مافات پر، اور نہ اتراؤ ماأتی پر[2]۔ یہ تو مصیبت کا ذکر تھا۔ میں اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جو مسئلہ تقدیر کے معتقد نہیں ان کو نعمت میں بھی راحت نہیں ہے کیونکہ انسان کے اندر اکثر طبعاً حرص بہت ہوتی ہے اس کو جتنا بھی ملے اسی قدر اس کی حرص بڑھتی ہے کہ اور ترقی ہو۔ ایک گاؤں کا مالک ہو تو ذہن میں حرکت ہوئی کہ ایک گاؤں اور مل جاوے اسی طرح اس کو کوئی انتہا ہی نہیں ہے عمر بھر چین نہیں ہے چاہے کتنا ہی صاحب جائیداد ہو جاوے مگر حرص کا مادہ اور بڑھتا ہے اور جو تقدیر کا قائل ہے وہ ہر درجہ میں قانع ہو جاتا ہے اسے جتنا بھی ملا کہے گا کہ اتنا ہی میری تقدیر میں تھا اور بھی کچھ اگر تقدیر میں ہوگا وہ بھی ضرور ملے گا وہ ہر وقت بادشاہ ہے گو ظاہر میں مفلس ہو۔ چین سے بیٹھا ہے اسے کوئی فکر و رنج پریشانی نہیں ہے۔

شیخ عبدالقادرؒ کا حال

ان کے چین کا حال کیا بیان کروں۔ حضرت شیخ عبدالقادرؒ کو ملک نیمروز کے بادشاہ سنجر نے لکھا تھا کہ آپ کی خانقاہ کے لیے میں ملک نیمروز کا ایک معتد بہ بڑا حصہ دینا چاہتا ہوں آپ نے جواب میں یہ تحریر فرمایا۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد — در دل بود اگر ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیمشب — من ملک نیمروز بیک جو نیمخرم[3]

---

(۱) ”کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک بار کتاب میں لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں۔ بیشک یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے۔ تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراو نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا“ سورۃ الحدید: ۲۲، ۲۳ (۲) جو چھن گیا اس پر غم نہ کرو جو ملا ہے اس پر اتراؤ نہیں (۳) ”یعنی میرے دل میں اگر ملک نیمروز کی ہوس ہو تو میرا چہرہ سنجری چتر کی طرح سیاہ ہو جائے اس وقت اس سلاطین کا چتر سیاہ ہوتا تھا“۔

اور فرمایا:

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیمشب من ملک نیمروز بیک جو نیرزم (۱)

یعنی آدھی رات کو اٹھ کر اللہ اللہ کہنا یہی ہے بڑی سلطنت۔ نیمروز کی سلطنت سے کیا ہوگا صاحبو! آخر یہ کاہے کی برکت ہے۔ مسئلہ تقدیر ہی کی برکت ہے وہ جانتے تھے کہ جو ملنے والا ہے ضرور ملے گا ہم کو اس میں سرگردانی اور پریشانی اٹھانے کی کیا ضرورت پڑی ہے اور واقعی ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو ملنے کی چیز ہے وہ ضرور ملتی ہے اور جو تقدیر میں نہیں وہ ہزار تدبیر سے بھی حاصل نہیں ہوتی، یہ ہے عیش اور راحت جو بادشاہوں کو بھی میسر نہیں اور جس طرح اس عقیدہ والے کو کسی سے طمع نہیں ہوتی جیسا کہ بیان ہوا اس طرح اس کو کسی سے خوف بھی نہیں ہوتا وہ بڑے سے بڑے بادشاہوں کو بھی منہ نہیں لگاتے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے وَمَا هُم بِضَآرِّينَ بِهِۦ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ (۲) کہ بلا حکم پروردگار کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا اور اور اگر ادھر ہی سے حکم ہے تو بہ دل وجان راضی ہیں۔ حضرت علیؓ صفین کی لڑائی کے میدان میں گھوڑے پر اونگھ رہے تھے کسی نے عرض کیا حضرت یہ میدان حرب وضرب ہے گردنیں گیند کی طرح اڑ رہی ہیں آپ کو نیند آرہی ہے جواب دیا۔

ای یومین من الموت افر یوم لا یقدرا ویوم قدر (۳)

یوم لا یقدر لا یاتی القضا یوم قد قدر لا یعنی الحذر

ہے کوئی ایسا شخص جو میدان جنگ میں اپنے کو ایسی شان سے دکھلا سکے؟ یہ حضرت علیؓ ہی کی ہمت ہے یا انکے غلاموں کی۔ فرمایئے یہ ہمت وجرات کاہے سے ہے؟ اسی عقیدہ کی بدولت اسی کو فرماتے ہیں۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش

امید وہراش نباشد زکس ہمیں ست بنیاد توحید وبس (۴)

توحید کی بنیاد بس یہی ہے۔ اور اگر کسی معتقد تقدیر میں اتنی قوت نہ پائی جاوے

(۱) ''جب سے مجھے نیم شب کی سلطنت ملی ہے میں اس نیمروز کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا'' (۲) سورۃ البقرۃ:۱۰۲ (۳) فرمایا ''کونسی تاریخ میں موت سے بھاگوں یا تو مقدر دن میں یا غیر مقدر دن میں'' (۴) ''موحد کے قدموں میں خواہ سونا بکھیر دیں یا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھ دیں اسے امید وخوف (سوائے خدا کے) اور کسی سے نہیں''۔

تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ خود اس اعتقاد میں اتنی ہی کمی ہوگی خواہ جزم کی کمی ہو خواہ غلبہ حال کی کمی ہو یہ تو بڑے درجہ والوں کی باتیں ہیں۔

تقدیر پر بھروسہ

اب میں ادنیٰ سا ایک نمونہ دکھلاتا ہوں۔ اصلی کے تو ہم اہل ہی کہاں ہیں گو اس نمونہ کو بیان کرتے ہوئے شرم بھی آتی ہے کیونکہ صورت دعویٰ کی سی ہے۔ مگر حاشا و کلا میرا مقصود دعویٰ نہیں ہے صرف ایک نمونہ دکھلانا ہے۔ میرے پاس ایک رئیس کا خط آیا تھا کہ میں تمہارے مدرسہ کے لیے دوسو روپیہ بھیجتا ہوں اور میں تم کو بلاؤں گا بھی میں نے منی آرڈر واپس کر دیا اور یہ لکھا کہ آپ روپے بھیج کر مجھ کو متاثر بنانا چاہتے ہیں، روپیہ اپنے پاس رکھئے اور اب بلانے کی تحریک کیجئے لوگوں کو خیال بھی ہوا کہ اتنی بڑی رقم کو کیوں واپس کر دیا۔ مدرسہ کا کوئی کام نکل جاتا میں نے کہا اگر یہ مدرسہ کی تقدیر کا ہے تو پھر آوے گا چنانچہ پھر منی آرڈر آیا اور معذرت کی کہ میری غلطی ہوئی یہ رقم حسبۃً للہ مدرسہ کو دیتا ہوں اور بلانے کی درخواست کو واپس لیتا ہوں اب میں نے لے لیا اور لکھ دیا کہ آپ کی تہذیب سے اب مجھ کو آپ کے ملنے کا اشتیاق ہو گیا پھر مدت کے بعد انہوں نے بلایا تو چلا گیا اب بتلایئے روپے آنے والے تھے۔ ٹالنے سے بھی نہ ٹلے۔ کیا کوئی منکر تقدیر ایسا کر سکتا ہے؟ اور ایک جگہ سے پانچ روپے آئے اور لکھا کہ طلبہ سے میرے واسطے دعا کراؤ۔ میں نے واپس کر دیا اور لکھا کہ یہاں دعا کی کوئی دکان نہیں ہے پھر اس نے لکھا میں دعا نہیں چاہتا اور معذرت کے ساتھ روپیہ پھر بھیجا ہم نے لے لیا اور لکھ دیا کہ آپ کے واسطے خاص طور پر دعا بھی کی گئی مگر تمہیں یہ حق نہیں ہے کہ روپیہ دیکر دعا کی درخواست کرو تم کو تو برعکس ہمارے لیے دعا کرنا چاہیے کہ تمہاری رقم ہم نے لے لی اور تمہاری طرف سے کار خیر میں لگا دی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (۱)

ہدیہ دینے کا ادب

اس میں مخلصین کی حالت بیان فرما کر یہ تعلیم دی گئی ہے کہ کھانا کھلا کر یہ کہو کہ

(۱) ''اور وہ لوگ خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ہم تم کو خدا کی رضامندی سے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر'' سورۃ الانسان: ۸، ۹۔

نہ ہم اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ جس میں دعا بھی داخل ہے بلکہ اللہ واسطے خدا ہی کی محبت سے کھلاتے ہیں رقم دے کر دعا کی درخواست کرنا ایک قسم کا بدلہ لینا ہے پس ادب یہ ہے کہ دینے والا لینے والے سے دعا بھی نہ طلب کرے آگے اس کا فعل ہے خواہ دعا کرے یا بددعا بلکہ خود ہدیہ دینے کا ادب یہ ہے کہ دے اور پھر اس کے لیے دعا کرے کہ انہوں نے لے لیا میرے مال کو ٹھکانے پر لگا دیا۔ دیکھو مجذوب گالیاں دیتے ہیں اور پھر لوگ ان کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں مولویوں نے کیا جرم کیا کہ وہ بیچارے گالی بھی نہیں دیتے بلکہ رقم لے لیتے ہیں اور پھر ان سے دعا کی بھی درخواست ہے گو مدرسہ ہی کے لیے دی ہو اصل میں بعضے مولویوں نے ہی عوام کو خراب کیا ہے اگر ان کے مدرسہ کے لیے کہیں سے روپیہ آتا ہے تو یہ اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ارے یہ شکریہ کیسا ایک تو تم نے اس کا کام کیا کہ اس کی رقم کو ٹھکانے لگا دیا پھر شکریہ بھی تم ہی ادا کرو۔ ہاں پچاس روپے خود تم نے رکھ لیے ہیں اور پچاس مدرسہ میں لگا دیئے تو بے شک نصف شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

جھوٹی تاویلات

وہ بھی اگر لگانا حقیقی لگانا ہو، نہ ایسا لگانا جیسے ایک شخص کی حکایت ہے کہ باہر جا کر روپیہ مسجد کے نام سے چندہ کر کے لاتا اور خود کھا جاتا پھر جا کر چندہ کرتا اور کہتا کہ وہ تو مسجد میں لگا دیئے اور دو ایک واقف راز شخص نے کہا ارے ظالم کچھ خدا سے بھی ڈر کہ مسجد کے نام سے مانگ مانگ کر لاتا ہے اور خود ہی ہضم کر لیتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے کہ میں نے مسجد میں لگا دیئے۔ کہا خدا کی قسم میں مسجد میں لگاتا ہوں تو آ میرے ساتھ دیکھ لگاتا ہوں یا نہیں بس آ کر کیا کیا کہ سب روپوں کو مسجد کے فرش سے رگڑ کر پھر گھر لے گیا۔ تو یہ بھی ایک قسم کا لگانا ہے اگر پچاس روپیہ مدرسہ کو اس طرح لگایا ہے تو البتہ پورا شکریہ ادا کرنا آپ کے ذمہ ہے۔

اور اس لگانے کی تاویل پر ایک اور حکایت یاد آ گئی ایک قصبہ میں ایک شخص تھا نیک تہجد گزار وہ دودھ میں پانی ملا کر بیچتا تھا اور قسمیں کھا جاتا تھا کہ میں دودھ میں پانی نہیں ملاتا ایک شخص نے کہا ارے جھوٹی قسم کیسے کھاتا ہے؟ کہا جھوٹ کہاں میں تو پانی میں دودھ ملاتا ہوں دودھ میں پانی نہیں ملاتا یعنی وہ یہ کرتا تھا کہ پہلے سے برتن میں پانی رکھ کر الگ کر کے اوپر سے دودھ چھوڑ دیتا تھا تا کہ قسم کھا سکے تو بعض ایسے بھی متقی ہیں خدا غارت کرے

ایسے متقیوں کو یا اصلاح کردے اگر قابل اصلاح ہوں، غرض اگر ایسے چندہ لینے والے ہوں وہ ضرور شکریہ ادا کریں ہمیں تو اس کی ضرورت نہیں جو لوگ چندہ لے کر شکریہ ادا کرتے ہیں مجھے تو ان پر شبہ ہوتا ہے کہ کہیں انہوں نے غبن تو نہیں کیا؟ کھایا تو نہیں؟ ورنہ شکریہ کیوں کرتے ہو۔ بلکہ اس سے شکریہ لینا چاہیے (یہ مزاجاً فرمایا ۱۲ جامع)

اصل بات یہ ہے کہ بعض مدعیان علم کو غیرت نہیں رہی جاہلوں کی، عوام کی خوشامدیں کرتے ہیں کوئی رئیس بیمار ہو تو اس کی عیادت کو تو دس دفعہ جائیں گے اور غریب کو پوچھتے بھی نہیں۔

حضرت تھانویؒ کا استغناء

ایک مرتبہ ایک شخص نے ہمارے مدرسہ میں چار ہزار روپیہ بھیجنا چاہا مگر اس شرط کے ساتھ کہ ایک سب رجسٹرار کے سامنے اقرار کرلو کہ ہم نے پایا اور دستاویز پر سب رجسٹرار کے دستخط کرادو وجہ اس شرط کی یہ تھی کہ اس رقم کی کسی نے وصیت کی تھی اور گورنمنٹ کو اس کا نگراں بنایا تھا تو وصی کو باقاعدہ حساب داخل کرنا ضروری تھا ہم نے کہا ہم ایسی مشروط رقم نہیں لیتے پھر انہوں نے لکھا ہم مجبور ہیں اور وہی وجہ مجبوری کی لکھی میں نے جواب دیا کہ ہم تو مجبور نہیں اگر آپ مجبور ہیں وہ رقم نہ بھیجئے انہوں نے پھر لکھا اچھا قصبہ کے کسی مجسٹریٹ ہی کے دستخط کرادو میں نے جواب دیا کہ مجسٹریٹ تو خود ہمارے دروازہ پر آسکتے ہیں مگر مجھے غیرت آتی ہے کہ روپے کے لیے مجسٹریٹ سے التجا کروں۔ پھر خط آیا کہ اچھا اپنے مدرسہ کے دو آدمیوں کے بھی دستخط کرادو گے ہم نے کہا ہاں دو لنگوٹ بندوں کے دستخط کرادیں گے بالآخر وہ اس شرط سے دست بردار ہوئے اور بدوں (۱) کسی شرط کے انہوں نے روپیہ بھیج دیا جس روز یہ روپیہ آیا اتفاق سے ایک ڈپٹی کلکٹر اور ایک جج میرے مہمان تھے میں نے ان کے دستخط کرادیئے تو دونوں کی شرطیں پوری ہوگئی ہماری بھی اور ان کی بھی۔

عقیدہ کی برکت

صاحبو! خدا سے تعلق پیدا کرو خدا کی قسم اگر خدا سے تعلق ہوگیا تو دنیا کی یہ حالت

(۱) بغیر شرط کے۔

ہوگی انتہ الدنیا وھی راغمۃ کہ دنیا ناک رگڑتی ہوئی آوے گی۔ ہم لوگوں نے شرح عقائد تو پڑھی ہے اس میں سب سچے عقائد ہیں اور دلائل سے ہم لوگ ان کو ثابت بھی کرتے ہیں، مگر عمل کے وقت سب ذہن سے رخصت ہوجاتے ہیں بس وہی حالت ہوتی ہے جیسے ایک طوطا ہر وقت کہتا ہے نبی جی بھیجو۔ مگر جب بلی آئی تو بس ٹان ٹان رہ گیا وہی حالت ہے جب تک سایہ میں ہیں عیش وعشرت سے ہیں تو اللہ اللہ کرتے ہیں اور جب کوئی مصیبت آئی سب حذف، تو یہ ہماری خامی ہے باقی عقیدہ تقدیر کا نور اور برکت اور حکمت تو اوپر دکھلا چکا ہوں کہ اس سے دل کتنا قوی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ جس کے دل میں جما ہوا ہو وہ بادشاہ ہے کیونکہ سلطنت سے اصل غرض تو راحت ہی ہے اور اس شخص کو وہ راحت حاصل ہے کہ بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں اس کی وہ حالت ہے۔

خوشا وقتے وخرم روزگارے کہ یارے برخورد از وصل یارے (۱)

اور یہ حالت ہے کہ

بفراغ دل زمانے نظرے بماہر بہ از انکہ چتر شاہی ہمہ روز ہا و ہوئے (۲)

حضرت سلیم چشتی کا قصہ ہے کہ ایک روز اپنے ایک خادم کو کرتہ دیا جوئیں مارنے کے لیے اتفاق سے بادشاہ بڑے حشم وخدم سے ملاقات کے لیے آیا اس کو دیکھ کر خادم گھبرایا اور دوڑ کر حجرہ پر آواز دی حضرت نے پوچھا کیا ہے؟ کہا بادشاہ مع حشم وخدم کے بڑے کروفر کے ساتھ آرہا ہے کہا جا بھلے مانس میں تو یوں سمجھا کہ کوئی بڑی سی جوں ہاتھ آئی ہے اس کو دکھلانے کے لیے پکار رہا ہے یہ کہہ کر پھر اپنے کام میں لگ گئے ان کی طرف التفات بھی نہ کیا۔ یہ کیا ہے اسی عقیدہ کی جھلک ہے اور خبر بھی ہے کہ یہ کون چیز ہے۔ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً (۳) وہ مسئلہ تقدیر ہے۔ غرض یہ کہ دریا ہو یا پہاڑ، ندی ہو یا نالہ مومن کا سب جگہ وہی عقیدہ مشعل راہ ہے وہ حالت ہے کہ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ (۴) الآیۃ کہ پہلے تو ایک مردہ

(۱) ''اس کے غم میں پریشان لوگوں کا کیا اچھا وقت ہے خواہ اپنے زخموں پر نظر پڑے یا اس کے زخموں پر مرہم'' (۲) ''ایک ساعت ایک لمحہ محبوب کو اطمینان سے دیکھنا دن بھر کی داروگیر شاہی سے بہتر ہے'' (۳) ''بعض اوقات ایک چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے'' (۴) ''ایسا کوئی شخص جو کہ پہلے مردہ تھا ہم نے اس کو زندہ کردیا اور ہم نے اس کو ایسا نور دیا کہ وہ اس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے'' سورۃ الانعام: ۱۲۲۔

تھا اب اس کو ایک نور عطا ہو گیا جہاں جاتا ہے وہی نور رہبری کرتا ہے یہ نور کیا ہے وہی عقیدہ توحید و تقدیر ہے۔ حضرت شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

گر گز ندت رسد ز خلق مرنج — کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج
از خدا داں خلاف دشمن و دوست — کہ دل ہر دو در تصرف اوست(۱)

اور تصرف اس طرح ہوتا ہے کہ

رشتہ در گردنم افگندہ دوست — میبرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست(۲)

بزرگوں کی شانیں

ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ میں مختلف بزرگوں کی شانیں دیکھنا چاہتا ہوں فرمایا فلاں مسجد میں جاؤ تین آدمی مراقب بیٹھے ہیں ہر ایک کو ایک ایک دھپ(۳) مار دینا اس سے ان کے الوان(۴) کا اندازہ ہوگا۔ یہ ان کے پاس گیا تو دیکھا نورانی شکل متقی پارسا لاحول ولا قوۃ ان کو کیسے ماروں مگر اس کو آزمانا تھا اپنی طبیعت پر بار ڈال کر اول ایک کو دھپ مارا وہ اٹھے یہ سمجھے کہ بس اب کم بختی آئی یہ تو کھڑے ہی ہو گئے اب وہ دونوں بھی ان کا ساتھ دینے کو اٹھیں گے اور مار کوٹ کر مجھے پیس لیں گے اچھا امتحان کرنے آیا کہ جان بچانا مشکل ہو گئی مگر وہ بزرگ اٹھ کر اس کے ویسا ہی ایک دھپ مار کر پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے پھر دوسرے کے پاس گئے ان کو بھی ایک دھپ لگایا وہ کچھ نہ بولے اپنی نشست بھی نہیں بدلی پھر تیسری جگہ گئے وہاں بھی یہی حرکت کی وہ اٹھے اور اس کے ہاتھ پکڑ کر سہلانا شروع کیا کہ بھائی تمہارے بہت چوٹ لگی ہوگی کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی۔ یہ پیر کے پاس آئے کہا سمجھے بھی کیا دیکھا؟ کہا آپ سمجھائیے۔ فرمایا کہ پہلا شخص تو شریعت کے ضروری درجہ پر ہے اس نے وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا(۵) پر عمل کیا اس لیے اس نے صرف ایک دھپ پر اکتفا کیا اس سے معلوم ہوا کہ ہم لوگ اس پر بھی عمل نہیں کرتے انہوں نے اس قدر مساواۃ برتی کہ اس سے یہ پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا کہ تو کون ہے کیوں مارتا ہے کیونکہ اِدھر سے بھی اس

(۱) ''اگر تجھے مخلوق سے نقصان پہنچے تو مغموم نہ ہو کہ مخلوق سے نہ آرام پہنچ سکتا ہے نہ رنج، مخالف دشمن اور دوست کو اللہ کی طرف سے سمجھ کہ دونوں کا دل اس کے قبضہ میں ہے''(۲) ''انہوں نے یہ حرکات پیدا کر رکھی ہیں جس طرح چاہتے ہیں متحرک کر دیتے ہیں''(۳) تھپڑ (۴) مزاج (۵) ''برائی کا بدلہ اس برائی کے مطابق بدلہ لینا ہے'' سورۃ الشوریٰ: ۴۰۔

نے تو صرف مارا ہی تھا کچھ بولا نہیں تھا آپ نے بھی صرف مارنے پر اکتفا کیا اور دوسرا صاحب طریقت ہے یعنی شریعت کے کامل درجہ پر اس کو یہ مراقبہ پیش نظر ہو گیا کہ۔

از خدا داں خلاف دشمن ودوست کہ دل ہر دو در تصرف اوست (۱)

اس کا یہ مراقبہ راسخ ہو چکا تھا سمجھا کہ اس نے نہیں مارا یہ کون ہوتا ہے مارنے والا جو کچھ ہے ادھر سے ہی ہے یہ تو ایک پرزہ ہے اس کی کیا مجال ہے کہ اپنی طرف سے کچھ کر سکے۔

قال الجداد للوتد لم تشقنی قال الوتد انظر الی من یدقنی (۲)

اور تیسرا شخص شریعت کے اکمل درجہ پر تھا یعنی فنا فی اللہ سے بڑھ کر بقاء باللہ میں پہنچ گیا فنا تک تو غیبت واضمحلال کا غلبہ رہتا ہے۔ جب اس سے ترقی کر کے بقاء باللہ کو پہنچ جاتا ہے تو وجود کے آثار نمایاں ہوتے ہیں مگر تخلق باخلاق الٰہیہ کے رنگ پر اور خدا تعالیٰ کی شان ہے شفقت اس لیے اس کو غلبہ شفقت سے رحم آیا کہ اس کو تکلیف ہوئی ہوگی اس لیے اس نے شفقت کا برتاؤ کیا۔ شیخ شیرازی نے ایسا ہی قصہ لکھا ہے کہ کسی شرابی کے ہاتھ میں بربط (۳) تھا اس نے ایک درویش کے سر میں ایسی زور سے مارا کہ وہ ٹوٹ گیا ظاہر ہے سر کا کیا حال ہوا ہوگا درویش نے ایک دینار پیش کیا کہ میرا سر تو ویسے ہی جڑ جائیگا مگر تمہارا بربط بدون داموں کے درست نہ ہوگا ان داموں سے اس کو درست کرالینا ان واقعات والوں پر اس عقیدہ ہی کا تو غلبہ تھا جس کے یہ آثار تھے خدا کی قسم ان عقیدوں نے سارے عالم سے بے فکر کر دیا ہے ان کی بدولت جہاں کو کتنی راحت پہنچتی ہے۔ سبحان اللہ۔

اپنا ہی غم

اور سنیے اسلام کا عقیدہ ہے جزا وسزا کا کہ نیکی پر جزا ملے گی اور بدی کرنے سے سزا ہوگی اس عقیدہ میں بھی بڑے بڑے منافع ہیں اگر کسی کو محبت نہ ہو ہیبت وعظمت کا بھی خوف نہ ہو تب بھی وہ بہت جرائم سے محض سزا ہی کے خوف سے بچے گا اور سنئے ایک اسلامی عقیدہ العبرۃ للخواتیم (۴) اس نے عجب وپندار کی جڑ کاٹ دی کسی بات پر ناز ہی نہیں

(۱) ''مخالف دشمن اور دوست کو اللہ کی طرف سے سمجھ کہ دونوں کا دل اس کے قبضہ میں ہے'' (۲) ''دیوار نے میخ سے کہا کہ تو مجھے شق نہ کر، میخ نے کہا اس کی طرف دیکھ جو مجھے ٹھونک رہا ہے'' (۳) ایک قسم کا ساز جس کی شکل بَط (بطخ) کے سینے کی طرح ہوتی ہے (۴) اعتبار خاتمہ کا ہے۔

کر سکتے۔ اس سے تواضع پیدا ہوگی تکبر زائل ہوگا اور کسی کو اس شخص سے ایذاء نہ پہنچے گی کیونکہ کینہ بغض حسد عداوت غیبت ظلم سب تکبر ہی سے ہوتا ہے بلکہ جتنے اخلاق ذمیمہ ہیں بعد تامل سب کی جڑ تکبر ہی معلوم ہوتی ہے اسلام نے اس تواضع کو بتلا کر مخلوق کو ساری آفات سے بچا دیا اس کو اپنے غم میں لگا دیا کہ نہ معلوم خدا جانے عاقبت کیا ہوتی ہے ایسا شخص نہ کسی پر ظلم کرے گا نہ کسی کی غیبت میں مبتلا ہوگا۔ رات دن اپنے ہی غم میں گھلتا رہے گا ایسے ہی شخص کے باب میں مولانا فرماتے ہیں۔

خود چہ جائے جنگ وجدل نیک وبد کیں الم از صلح ہاہم می رسد(۱)

یہ چند عقائد ہیں اسلام کے جو مختصر عنوان سے میں نے بیان کر دیئے ہیں آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ ان سے دین کا نفع تو ہوتا ہی ہے دنیا کے بھی کتنے منافع ومصالح ان کے ساتھ وابستہ ہیں اب وقت میں گنجائش نہیں رہی جمعہ کی نماز کا وقت آ گیا ہے اگر وقت ہوتا تو اور بیان کرتا۔

غرض یہ ہیں خوبیاں اسلام کی ان کو دوسروں کے سامنے بھی پیش کرو مگر لڑومت اس وقت دوسری قومیں بھی اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں بہت کوشش کر رہی ہیں اور فساد کرنے پر بھی آمادہ ہیں مگر تم صرف اپنا کام کرو فساد کی تدبیر مت کرو البتہ فساد کی مدافعت مناسب طریقہ سے مضائقہ نہیں بس یہی کافی ہے اب وقت کم ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک ظاہری بہانہ ہے ورنہ دراصل میں خود بھی تھک گیا ہوں اب دعا کرو خدا فہم سلیم عطا فرماویں اور عمل کی توفیق دیں۔ آمین (۲)

---

(۱) ''اچھی اور بڑی لڑائی کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ میرا دل صلح وآشتی سے جیتا جاسکتا ہے'' (۲) خصوصیات اسلام حصہ دوم مکمل ہوا اس کے بعد حصہ سوم ہے جو ان شاء اللہ اگلے ماہ طبع ہوگا۔

خلیل احمد تھانوی

۱۹ اگست ۲۰۲۰ء

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

۱۔ گزشتہ ماہ جامعہ میں طلباء کا امتحانی جائزہ لیا گیا، کرونا اور لاک ڈاؤن کے باوجود عمدہ نتائج حاصل ہوئے، تعلیمی کارکردگی کو مزید بہتر بنانے کے لیے حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب دامت برکاتہم کی جانب سے اساتذہ کو مزید محنت ودلجمعی کے ساتھ اسباق کو آگے بڑھانے کی تاکید کی گئی، اللہ تعالیٰ جامعہ کے طلباء واساتذہ کو علمی وعملی ترقی نصیب فرمائے۔

۲۔ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے گزشتہ ماہ مختلف مدارس کے دورہ کیے اور کئی محافل میں شرکت فرما کر تلاوت وخصوصی خطاب فرمایا جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

- ۲۹ اکتوبر کو حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب دامت برکاتہم دارالعلوم کراچی تشریف لے گئے جہاں شعبہ قراءات کا جائزہ لیا۔
- جامعہ بنوریہ۔ مفتی نعیم صاحبؒ کی وفات پر تعزیت فرمائی۔
- جامعہ فاروقیہ۔ مولانا ڈاکٹر عادل خان شہیدؒ کی شہادت پر تعزیت فرمائی۔
- مسجد خلفاء الراشدین۔ مولانا شفیق الرحمن صاحب کے بیٹے کی تکمیل قرآن میں شرکت فرمائی۔
- کراچی میں راہنما جمعیت علماء اسلام مولانا قاری محمد عثمان صاحب سے ملاقات ہوئی
- جامع القرآن شیر شاہ۔ محفل قراءۃ میں تلاوت وبیان فرمایا۔
- ادارہ تعلیم القرآن منظور کالونی خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور تعمیر مدرسہ کا جائزہ لیا۔
- یکم نومبر کو کلیۃ القرآن شارع خیابان قائد لاہور کی طالبات کے آن لائن پروگرام برائے تکمیل قراءات سبعہ کی سماعت فرمائی تلاوت اور خصوصی خطاب بھی فرمایا۔
- ۷ نومبر۔ رحیم یار خان تشریف لے گئے جہاں سیرت وعظمتِ قرآن کانفرنس میں تلاوت وبیان فرمایا۔
- ۱۴ نومبر کو لاہور میں عائشہ مسجد مسلم ٹاؤن میں طلباء کی تکمیل قرآن کی تقریب میں تلاوت وبیان فرمایا اور طلباء کی دستار بندی فرما کر انعامات سے نوازا۔